قیمت پانچ روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

ملی پارلیامنٹ کے پٹنہ اجلاس پر خصوصی گوشہ

دائیں: اسلامک رفاہ پارٹی کے صدر نجم الدین اربکان
نیچے: رفاہ پارٹی کے حامیوں کا جلوس فتح
بالکل نیچے: تانزو سیلر اور مسعود ایلماز

اسلام کی طرف ترکی کی واپسی

مغرب نواز طاقتیں

لرزہ براندام

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

حکومت نے ٹاڈا قانون تو ختم کر دیا مگر

نئے قانون میں ٹاڈا کی روح ڈال دی گئی

حقوق انسانی کی تنظیمیں، اقلیتی لیڈروں اور بیشتر مخالف پارٹیاں اس خیال سے متفق نہیں ہیں کہ کچھ ماہ قبل پارلیمنٹ میں پیش کردہ (ٹاڈا کا متبادل) فوجداری قانون ترمیمی بل کسی بھی طرح پرانے قانون کی سرکاری دہشت گردی سے مختلف ہے۔ مذکورہ بل کی حمایت کے لئے وزیر داخلہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس پر اتفاق رائے نہ ہوسکا۔ اس مسئلہ پر سکھ رام کا ہنگامہ کھڑا کر کے حکومت نے منہ چرانے کا کام کیا ہے اور واک آؤٹ کی وجہ سے کورم پورا نہ ہونے کا بہانہ بھی تراشا گیا ہے۔ ٹاڈا کی مدت پوری ہونے سے ایک ہفتہ قبل اس بل کو راجیہ سبھا میں یہ سوچ کر پیش کیا گیا تھا کہ کہیں حکومت کے ہاتھ سے ایک اقلیت مخالف قانون نہ نکل جائے اور پھر اسے ایک ایسا قانون بھی درکار تھا جس میں ہر دوسرے یا تیسرے برس توسیع نہ کرنی پڑے۔ لہذا وزارت داخلہ نے موجودہ فوجداری قانون میں ٹاڈا کی بعض نکات کا اضافہ کر دیا۔

اپوزیشن سے کئی بار کی گفتگو کے بعد ہی حکومت نے اس ترمیمی بل میں بعض تبدیلیاں گوارا کیں۔ مثلاً یہ کہ نئے قانون کا نفاذ تین سال کے لئے ہوگا۔ بعض اصلاحات جن کے بارے میں اپوزیشن کا خیال تھا کہ ان کی تعبیر و تشریح میں دقت پیش آئے گی اور پولیس ان سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتی ہے انہیں تبدیل کیا گیا۔

اس کے باوجود ناقدین اس بل سے مطمئن نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ ابتدائی فقرے میں لفظ دہشت گرد کی تعریف مبہم ہے۔ اس بل کی حامی بی جے پی کا بھی یہی اصرار ہے کہ دہشت گرد کی تعریف کو زیادہ حتمی بنایا جائے کیونکہ ٹاڈا میں اسی طرح کی تعبیر و تشریح کی وجہ سے احتجاج کرتے ہوئے کسانوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اسی طرح "مجرم کی اعانت" کے لفظ کی بھی اطمینان بخش وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ ٹاڈا کے تحت گرفتار شدگان کی قانونی حیثیت کے بارے میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ غیر بی جے پی اپوزیشن پارٹیوں نے ٹاڈا کے تمام مقدمات پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا ہے جیسا کہ سمتا پارٹی کے سید شہاب الدین کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ "حکومت کو اس بارے میں واضح موقف اختیار کرنا چاہئے کہ کیا وہ ایسے لوگوں پر مقدمات چلائے گی جو ناموجود قانون کے تحت گرفتار کئے گئے ہیں۔" رام جیٹھ ملانی ممبر پارلیمنٹ کا کہنا ہے کہ اس اعتبار سے کہ کسی جرم کا ارتکاب ٹاڈا کے نفاذ کے دنوں میں کیا گیا یا اس کے بعد ایک ہی جرم کے لئے دو افراد کو مختلف سزائیں دے دی جائیں گی۔ ان کی نظر میں "یہ بل لایعنی ہے اور ٹاڈا ہی کی طرح مبہم ہے جس سے صرف پولیس کو من مانی کرنے کا موقع ملے گا۔ موجودہ فوجداری قانون ہر طرح کے امن اور قانون کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے کافی ہے۔"

صرف منہ چھپانے کی خاطر وزارت داخلہ اپوزیشن کے سامنے تاویلیں تراش رہی ہے۔ وزیر داخلہ ایس بی چوان نے کہا کہ صوبائی حکومتیں ٹاڈا کے دوبارہ نفاذ کی مجاز ہیں اگر وہ یہ سمجھیں کہ ایسا کرنے سے مرکز پر دباؤ کم ہوجائے گا کیونکہ پنجاب اور تملناڈو کی حکومتوں نے ٹاڈا میں توسیع کی خواہش ظاہر کی تھی۔ •

اب بھی ہزاروں افراد پر

ٹاڈا کا آسیبی سایہ

ٹاڈا جیسے سیاہ قانون کا خاتمہ یوں تو مئی ۱۹۹۵ء ہی میں ہوگیا مگر اس کا منحوس سایہ اب بھی پورے ہندوستان کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ ٹاڈا کے تحت نظر بند ہزاروں بے قصور افراد اب بھی سلاخوں کے پیچھے ہیں اور ٹاڈا کی موت کے بعد بھی ان مظلومین کی رہائی عمل میں نہیں آرہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثریت ایسے افراد کی ہے جنہیں بلاوجہ اٹھا کر جیلوں میں ٹھونس دیا گیا اور اب بھی نہ تو ان کے خلاف فرد جرم داخل کی جارہی ہے اور نہ ہی ان کا کیس ختم کرنے کا اعلان کیا جارہا ہے۔

یہ صورت حال ہر امن پسند اور انصاف پرور ہندوستانی کے لئے باعث تشویش ہے۔ اسی بے چینی کا اظہار اور مظلوموں کو انصاف دلانے کے لئے انسانی حقوق کمیٹیوں نے پھر آواز بلند کی ہے۔ ملک بھر کی ۱۸ انسانی حقوق کمیٹیوں نے ایک عرضداشت صدر جمہوریہ کو پیش کر کے مظلوموں کے ساتھ انصاف اور اس معاملے میں مداخلت کا مطالبہ کیا ہے۔ عرضداشت میں دیگر باتوں کے علاوہ پنجاب اور دوسری ریاستوں میں نظربند بے قصوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب ٹاڈا کی توسیع نہیں کی گئی تو ان افراد کو راحت کی سانس نصیب ہوئی تھی اور ان لوگوں نے سوچا تھا کہ شاید اب ان کے سیاہ دن ختم ہوئے اور اب وہ بھی سلاخوں سے باہر آکر آزادانہ زندگی گزار سکیں گے۔ لیکن یہ کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ ٹاڈا کا تو خاتمہ ہوگیا لیکن انہیں ابھی بھی رہائی نصیب نہیں ہوئی۔ ٹاڈا جیسے خطرناک قانون کو ۱۹۸۵ء میں وضع کیا گیا تھا اور ملک گیر سطح پر اس کی مخالفت سے مجبور ہوکر حکومت نے ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء کو اس کی مدت میں توسیع نہ کرنے کا اعلان کیا۔ دراصل حکومت تو اس میں توسیع چاہتی تھی لیکن حزب اختلاف کی مخالفت نے حکومت کو جھکنے پر مجبور کردیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کس طرح پورے ملک میں مسلمانوں اور سکھوں کو ٹاڈا کی صلیب پر لٹکایا گیا اور کس طرح پولیس نے اس قانون کا سہارا لے کر بے قصور شہریوں کی عزت و آبرو سے کھیل کھیلا۔ عرضداشت میں کہا گیا ہے کہ ہم پولیس کے ذریعہ ٹاڈا کے تحت حراستی اموات، فرضی مقابلوں اور دن دہاڑے قتل کردینے کی تفصیل پیش نہیں کر رہے ہیں کیونکہ حکومت اس سے واقف ہے اور اس کے پاس اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ہم نے حکومت سے بارہا ایسے لوگوں کی تفصیل جاننی چاہی کہ ٹاڈا کے تحت کتنے لوگ نظربند ہیں لیکن حکومت نے اس کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی۔ جس کی بناء پر مجبور ہوکر ہم صدر جمہوریہ سے اپیل کر رہے ہیں کہ آپ اس معاملے میں مداخلت کریں۔ آپ حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ نظربند افراد سے متعلق پوری رپورٹ دے کہ کس کو کب اور کیوں گرفتار کیا گیا۔ کس کے خلاف کیا کیا الزامات اور کیا کیا شواہد ہیں۔ کس کو کتنے دنوں سے نظربند رکھا گیا ہے اور کتنے لوگوں کے خلاف فرد جرم داخل کی گئی ہے۔ عرضداشت میں راشٹرپتی سے یہ بھی اپیل کی گئی ہے کہ ان افراد کی رہائی کے لئے اگر ضرورت ہو تو آرڈی نینس بھی جاری کیا جائے۔

بچوں کو جنسی تسکین کا سامان بنا دیا گیا

کہاں جائے گا ہندوستانی معاشرہ؟

بچوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی کی عام لعنت کے پیش نظر شدید ترین قوانین کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔ ابھی کچھ ہی دنوں پہلے تک ماہرین نفسیات، سماجیات اور پولیس سب کا یہ کہنا تھا کہ جنسی بے راہ روی، کا ارتکاب ذہنی جبلت میں گرفتار افراد ہی کرتے ہیں۔ پولیس تو آج بھی یہی کہتی ہے کہ صحیح الدماغ لوگ خصوصاً والدین اپنے بچوں سے جنسی بدسلوکی کے مرتکب نہیں ہوتے لیکن بچوں کی عصمت دری کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ گزشتہ سال دہلی میں عصمت دری کے ۳۹۱ واقعات میں دو تہائی مظلومین نابالغ ہیں۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہر سال اس گھناؤنے جرم میں ملوث ہونے والے افراد میں سے کسی کے خلاف قانونی چارہ جوئی شاید ہی ہو پاتی ہے۔

مقامی اور بیرونی سروے رپورٹ کے مطابق ہر چار میں سے دو لڑکیاں اور ہر چھ میں سے

ایک لڑکا جنسی بدسلوکی کا شکار رہتا ہے۔ گزشتہ سال کئے گئے دو الگ الگ سروے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ سروے شدہ پندرہ فیصد مظلوم لڑکیاں ہر جارحانہ حملے اور عصمت دری کے تجربے سے دوچار ہوئیں۔ ان میں سے ۴۰ فیصد ایسی تھیں جن کے ساتھ جنسی حرکتیں کی گئیں اور ۸۲ فیصد کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ ۱۴۶۳ فیصد لڑکوں کے ساتھ ہم جنسی ہوئی اور ۳، فیصد لڑکوں کی طرف عمر رسیدہ عورتوں کی جنسی پیش قدمی ہوئی۔

سنگین اور گھناؤنے جنسی جرائم کے واقعات میں اضافے نے اس قدیم تصور کو جھٹلا دیا ہے کہ جنسی جرائم کا ارتکاب محض جنونی کیفیت میں مبتلا افراد کی طرف سے ہوتا ہے مثال کے طور پر انشورنس کمپنی کے ڈپٹی منیجر اسوتوش ماتھر نے اسی سال اپنی بیٹی کی عزت لوٹی۔ تند نگری دہلی کا درباری لال جس نے اپنے پڑوسی کی ڈھائی سالہ بچی کو ہوس کا نشانہ بنایا، وزارت داخلہ کا افسر کرم چند جھا کو جس نے اپنی بیٹی کو مجبور کیا کہ وہ اس کے دوستوں کے ساتھ اجتماعی مباشرت کرے۔ عوامی سطح پر تشویش اور بیداری اس مسئلہ پر بڑھ رہی ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم افراد اس رائے پر متفق ہیں کہ کوئی ایسا قانون عمل میں آئے جو ان معاملات سے نبرد آزما ہو اور مظلوموں کو جو ذہنی صدمہ پہنچتا ہے اس سے انہیں نجات دلائی جائے۔

جنسی مظلومین کو انصاف دلانے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ تحقیق و تفتیش اور سوالات کا طویل سلسلہ بذات خود مظلوم کے لئے خاصا ہتک آمیز اور تکلیف دہ ہوتا

باقی صفحہ ۴۴ پر

پارلیامنٹ پر قبضہ کرنے کے لیے ہندو لیڈروں کی یاترائیں

فرقہ وارانہ سالمیت پر سنگھ پریوار کی یلغار

فسطائی طاقتوں نے انتخابی مہم کا آغاز کردیا ہے۔ بی جے پی نے یاترائیں شروع کردی ہیں، شیو سینا نے شیو سینکوں کو انتخابی اسلحوں سے لیس کرکے میدان میں اتار دیا ہے، وشو ہندو پریشد نے سیاسی پارٹیوں کے لئے "ہندو ایجنڈا" تیار کرلیا ہے اور اسے تمام پارٹیوں کے پاس بھیج دیا ہے۔ اور بجرنگ دل نے یکم جنوری سے ۲۰ مارچ تک گئو رکشا مہم چلانے کا اعلان کردیا ہے گویا دہلی کی گدی پر قبضہ کرنے کے لئے چوطرفہ یلغار بول دی گئی ہے اور اب ہندوستان کی فرقہ وارانہ سالمیت داؤ پر لگ گئی ہے۔ کشیدگی اور منافرت کا بول بالا ہو گا، دشمنی، بغض، عناد، اور ہنگامہ آرائی کا سکہ چلے گا۔ مسلمانوں کو پھر نشانہ بنایا جائے گا اور بے قصوروں کو پھر فسطائی طاقتوں کی سازشوں کی قیمت چکانی پڑے گی۔

پچھلے شمارے میں قارئین نے پڑھا تھا کہ ہندوتو پر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد پورے ملک میں ہندو احیاء پسندی کے طوفان کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔ اب یہ اندیشہ حقیقت کا روپ اختیار کرنے کو بے چین ہے۔ بی جے پی یاترائیں کرکے فرقہ وارانہ فضا کو کس قدر بگاڑے گی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سنگھ پریوار نے کہنا شروع کردیا ہے کہ آئندہ عام انتخابات میں ہندوتو ہی بی جے پی کا انتخابی ایشو ہو گا۔ ہندوتو تقویت پہنچانے اور اس ایشو کو وزنی بنانے کی تیاری اور بجرنگ دل کی گئو رکشا مہم کے اعلان کو اسی پس منظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بی جے پی کو یاتراؤں سے بہت پیار ہے وہ جب بھی موقع دیکھتی ہے یاترائیں شروع کردیتی ہے یہ بات الگ ہے کہ صرف آڈوانی کی یاترا ان کے نقطہ نظر سے کامیاب رہی ہے اسی یاترا نے ملک میں آگ اور خون کی ندیاں بہائیں اور اسی یاترا کی بنیاد پر بی جے پی کو زبردست سیاسی

> کشیدگی اور منافرت کا بول بالا ہو گا، دشمنی، بغض، عناد، اور ہنگامہ آرائی کا سکہ چلے گا مسلمانوں کو پھر نشانہ بنایا جائے گا۔

قوت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد مرلی منوہر جوشی کی ایکتا یاترا اور وشو ہندو پریشد کی ایکاتمتا یاترا پانی بھی نہیں مانگ سکی۔ حالانکہ ان دونوں یاتراؤں کو گرمانے کی بہت کوشش کی گئی تھی۔ اب بی جے پی نے بیک وقت دو یاترائیں شروع کی ہیں ایک آڈوانی کی کیرالا کے کاسر گاد سے شروع ہونے والی یاترا اور دوسری واجپئی کی جموں سے شروع ہونے والی یاترا۔ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دونوں یاترائیں کہاں تک کامیاب ہوں گی اور ملک کی فرقہ وارانہ فضا کو کہاں تک خراب کرپائیں گی لیکن اتنا تو طے ہے کہ بی جے پی ان دونوں یاتراؤں کو کامیاب بنانے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کرے گی کیونکہ یہ عام انتخابات سے قبل کی یاترائیں ہیں اور ان کی کامیابی و ناکامی پر بھی الیکشن میں بی جے پی کی کامیابی کا بہت حد تک دارومدار ہے۔ اس لئے بی جے پی کے لیڈران کبھی بھی اس کو ناکام ہوتے نہیں دیکھنا چاہیں گے۔ آڈوانی کی یاترا یکم جنوری سے شروع ہوئی جب کہ واجپئی کی ۲ جنوری سے۔ دونوں کی یاترائیں چالیس چالیس دن کی ہیں۔ گویا یہ چالیس دن کسی بہت بڑے فتنے کی تمہید ہیں۔ اگر یہ چالیس دن خیر و خوبی سے گزر گئے تو ہنگامے کے امکانات کم ہوجائیں گے لیکن اگر ان دنوں میں ہنگامے ہوئے تو اس کے نتائج آگے تک بھگتنے پڑیں گے جو بہت ہی خطرناک ہوسکتے ہیں۔

بجرنگ دل کے اعلان کے مطابق اس کی گئو رکشا مہم یکم جنوری سے شروع ہوکر ۲۰ مارچ تک چلے گی۔ ۲۱ جنوری کو بجرنگ دل کے ورکر الہ آباد میں اکٹھا ہوکر سرجو ندی کے ساحل پر گائے کے تحفظ اور گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانے کا عہد کریں گے۔ بجرنگ دل نے ۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء سے ۲۰ مارچ ۱۹۹۷ء تک گئو رکشا سال کا اعلان کیا ہے۔ اس دوران اس کی طرف سے ملک بھر میں دو سو ایسی چوکیاں قائم کی جائیں گی جہاں سے گئو کشی یا گائے کے ذبیحہ پر نظر رکھی جائے گی۔ گویا یہ چوکیاں گئو رکشا کی چوکیاں نہیں بلکہ فرقہ واریت پھیلانے اور بے قصور افراد کو گئو کشی کے الزام کے تحت پکڑ کر انہیں زدوکوب کرنے کے مورچے ہوں گے ابھی تک تو ایسی چوکیاں نہیں تھیں اس کے باوجود حساس علاقوں میں بے قصور اور غریب مسلمانوں کو جو کہ جانوروں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں۔ پکڑ کر گئو کشی کا الزام لگاکر تھانوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں پولیس ان غریبوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بناتی ہے۔ بجرنگ دل کی طرف سے اس سلسلے میں ایک تین رکنی کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے جس میں گمان مل لوڈھا، شریش چندر ڈیکشت اور آچاریہ دھرمیندر ہیں۔

بہرحال حالات کو خراب کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ ایک کے بجائے دو دو یاترائیں نکل رہی ہیں۔ گئو رکشا مہم چلائی جارہی ہے۔ اجودھیا کے ساتھ ساتھ متھرا اور کاشی کی "آزادی" کی مہم شروع کی گئی ہے اور الیکشن سے قبل ایسا ماحول بنانے کی تیاری کی جارہی ہے جو بی جے پی کو فرقہ وارانہ بنیاد پر ووٹ دلا سکے تاکہ اس ملک کو ہندوتو کے رنگ میں رنگ کر ہندو ریاست بنا دیا جائے۔

> حالات کو خراب کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے ایک کے بجائے دو دو یاترائیں نکل رہی ہیں۔ گئو رکشا مہم چلائی جارہی ہے الیکشن سے قبل ایسا ماحول بنانے کی تیاری کی جارہی ہے۔ جو بی جے پی کو فرقہ وارانہ بنیاد پر ووٹ دلاسکے

کانپور میں کانگریسی مسلمانوں اور مرکزی وزا کو منہ کی کھانی پڑی

کانگریس مسلمانوں کے قریب آنے کی جتنی کوشش کررہی ہے اسے اتنی ہی منہ کی کھانی پڑ رہی ہے۔ لیکن پھر بھی تمام تر شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر کانگریسی ایلچی مسلمانوں کو دام فریب میں پھانسنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

کچھ ابن الوقت اور زرخرید قسم کے مسلمان بھی ہیں جو کانگریس کو اب بھی مسلمانوں کا مسیحا سمجھے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کا یہ مشورہ ہے کہ مسلمان بابری مسجد کی شہادت کو فراموش کردیں اور مابعد انہدام ایک نئی تاریخ مرتب کریں لیکن شاید ان بے ضمیر مسلمانوں کو یہ اندازہ نہیں کہ مسلمانوں کے دلوں پر بابری مسجد کی شہادت نقش ہوکر رہ گئی ہے اور یہ زخم نہ تو کانگریسی وزراء کی خوشامد سے مندمل ہو گا اور نہ زرخرید مسلمانوں کی ریشہ دوانیوں سے۔ بلکہ اس زخم کو جتنا کریدا جائے گا اس سے اتنی ہی ٹیس ابھرے گی اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام انتخابات جوں جوں قریب آتے جارہے ہیں یہ زخم مندمل ہونے کے بجائے ہرے ہوتے جارہے ہیں۔ اور مسلمان انہیں ٹیسوں کی قیمت وصول کریں گے عام انتخابات میں۔ کانگریس کو بھی اس کا احساس ہے اور اس لئے وہ بار بار مسلمانوں سے کہہ رہی ہے کہ تم اسے بھول جاؤ اور ہم نے تمہارے لئے بہت ساری نعمتیں سوچ رکھی ہیں اگر تم ان سے لذت آشنا ہونا چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دے کر پھر مسند اقتدار پر بٹھا دو۔

> یہ واقعہ کانگریس کے لئے زبردست دھچکہ ہے کانگریسی قیادت اس سے بہت رنجیدہ ہوا ٹھی ہے۔ اور اسی لئے حکومت نے اس کے دوسرے دن ہی اعلان کردیا کہ وہ اماموں کو تنخواہ نہیں دے گی

لیکن مسلمانوں نے بھی کانگریسی وزراء اور کانگریسی مسلمانوں کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر رکھا ہے اور کچھ شدت پسند مسلمان تو اس معاملے میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ انہیں نہ تو چادر چڑھانے دیتے ہیں اور نہ ہی بھاشن دینے کا موقع دیتے ہیں۔

وزیراعظم نرسمہا راؤ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان مجموعی طور پر ان سے بدظن اور نالاں ہیں انہوں نے ایک خاص مسلک کے لوگوں کا دامن پکڑلیا ہے اور ان کے سیاسی اور جیوتشی مشیر پنڈت این کے شرما بھی آج کل مولانا این کے شرما بن کر اس خاص مسلک کے لوگوں کے حوالے سے عام مسلمانوں کو راؤ کے قریب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ انہیں بھی ہمیشہ پسپائی ہوئی اور ہورہی ہے انہیں کے مشورے پر وزیراعظم نے بریلی کا دورہ کیا تھا اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کے مزار پر چادر چڑھانے کی "سعادت" حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس مسلک کے کچھ لوگوں نے لاحول پڑھ کر انہیں وہاں

باقی صـ۶ـ پر

یا تو عرفات کی قصیدہ خوانی کرو یا قید و بند کے لیے تیار ہو جاؤ

فلسطین میں آزاد ذہن صحافیوں پر عرصۂ حیات تنگ

حقوق انسانی اور پریس کی آزادی مغربی دنیا کے دو خاص موضوعات ہیں۔ اس تعلق سے وہ دنیا کے اکثر ممالک کی تنقید کرتے رہتے ہیں۔ لیکن مطلق العنان بادشاہوں اور اپنے ہمنوا لیڈروں کے "کارناموں" کو نظرانداز کردینے کا فن بھی انہیں خوب آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ سننے میں نہیں آتا کہ اردن یا عرفات کے زیر انتظام فلسطین میں حقوق انسانی کی پامالی ہورہی ہے، کیوں کہ شاہ حسین اور عرفات دونوں اب پورے طور پر مغرب کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ چنانچہ حال کے دو واقعات کو مغرب نے یا تو نظرانداز کردیا ہے یا ان پر کسی سخت رد عمل کا اظہار نہیں کیا ہے۔ یہ دونوں واقعات فلسطین اور اردن سے تعلق رکھتے ہیں۔

القدس فلسطین کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر ماہر العلمی ایک معروف صحافی ہیں جنہیں فلسطینی پولیس نے اس جرم میں گرفتار کرلیا ہے کہ انہوں نے یاسر عرفات کے بارے میں لکھے گئے ایک خوش آمدانہ مضمون کو سرکاری ہدایت کے مطابق پہلے صفحہ پر شائع کرنے کے بجائے اسے اندرونی صفحات میں جگہ دے دی تھی۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس مضمون میں یاسر عرفات کو حضرت عمر بن الخطاب کے مشابہ قرار دیا گیا تھا۔ پاتال کو آسمان سے مشابہت دینے والی یہ خوش آمد بھی خوب رہی۔

ماہر العلمی کے رشتہ داروں اور غیر ممالک کے صحافیوں کے مطابق جب یہ گھٹیا مضمون پہلے صفحہ پر نہیں شائع ہوا تو انہیں فلسطینی پولیس کے سربراہ جبرئیل رجوب کے آفس میں بلایا گیا۔ العلمی نے بتایا کہ پہلے صفحہ پر پہلے ہی عرفات کے متعلق کئی مضامین تھے اس لئے اس نئے مضمون کو اندر جگہ دی گئی۔ مگر اپنی انانیت کے لئے مشہور رجوب نے ان کی ایک نہ سنی اور انہیں گرفتار کرلیا۔

دوسرے واقعے کا تعلق اردن سے مشہور اسلام پسند لیڈر شبیلات پر شاہ حسین کی توہین کرنے کے الزام میں مقدمہ قائم کردیا گیا ہے۔ جرم یہ تھا کہ شبیلات نے شاہ اردن کی اس تقریر پر تنقید کی تھی جو انہوں نے اسحاق رابن کی موت پر کی تھی اور جس میں وہ بے انتہا جذباتی ہوگئے تھے۔ شبیلات کی گرفتاری کا مقصد دراصل شاہ کے مخالفین کو وارننگ دینا ہے۔

لیکن شاہ کے مخالفین کی تعداد زیادہ ہے۔ بے شمار اردنی باشندے شاہ کی اسرائیل نوازی سے ناخوش ہیں۔ وہ حسین کی حالیہ عراق مخالف پالیسی سے بھی نالاں ہیں۔ حال ہی میں شاہ نے ایک تقریر کے ذریعے صدام حسین کا تختہ الٹنے کی بات کہی تھی۔ اس کے بعد اردن صدام مخالف عناصر کی آماجگاہ بنا ہوا ہے شاہ ان متضاد عناصر کو متحد کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ سب ظاہر ہے وہ امریکہ اور اسرائیل کو خوش کرنے کے لئے کررہے ہیں۔ شاہ کی اس نئی امریکہ نواز اور عراق مخالف پالیسی سے بے شمار اردنی باشندے ناخوش ہیں۔ ایسے بہرحال اب بھی کم تعداد میں ہیں جو کھل کر شاہ کی تنقید کریں۔ لیکن اپوزیشن برائے نام بھی نہیں ہے۔ ادب کے دائرے میں رہ کر شاہ کی پالیسیوں کی تنقید یا خامیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ایک اپوزیشن اخبار نے اسحاق رابن کی موت پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ "ایک قاتل تو کم ہوا۔"

اردن میں گیارہ پروفیشنل تنظیمیں ہیں جن پر اسلام پسندوں کا قبضہ ہے۔ ان تنظیموں کا اثر بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر اسرائیل سے امن معاہدے کی مخالف اور شاہ کی موجودہ پالیسیوں کی ناقد ہیں۔ یہ اپنے ممبروں کو اسرائیلیوں سے رابطے سے منع کرتی ہیں شبیلات انجینئروں کی تنظیم کے سربراہ ہیں۔ انہیں ۱۹۹۲ء میں موت کی سزا دی گئی تھی جس کے بعد انہوں نے پارلیامنٹ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ بعد میں شاہ نے خود ہی بغیر کسی اپیل کے شبیلات کی سزا معاف کردی تھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ اپنے ناقدوں سے عاجز آچکے ہیں جو فطری بات ہے۔ چونکہ ان کی پالیسیاں عوامی جذبات کی ترجمان نہیں ہیں، اس لئے ان پر کھل کر تنقید ہورہی ہے۔ مطلق العنانیت اور خوش آمد کے عادی شاہ کے لئے یہ نیا تجربہ ہے۔ اس لئے وہ کافی برہم ہیں۔ ۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو پارلیامنٹ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا "جمہوریت کا مطلب انتشار نہیں ہے۔ نہ ہی اس کا مقصد قومی اتحاد کو نقصان پہنچانا یا ہر کام کی تنقیص کرنا اور ملک کی اچھی شہرت پر داغ لگانا ہے۔" مبصرین کا کہنا ہے کہ شاہ ایسے قوانین بنانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں جس سے اظہار خیال اور پریس کی آزادی بڑی حد تک سلب کرلی جائے گی۔ یہ کام اب وہ مغرب کی تنقید سے بے پروا ہو کر کرسکتے ہیں کہ ان کی مغرب نوازی کی وجہ سے نہ صرف ان کے سیاہ قوانین کو نظرانداز کردیا جائے گا بلکہ ان کی حالیہ عراق مخالف پالیسی کی وجہ سے انہیں معاشی انعامات سے نوازا بھی جائے گا۔ مغربی ممالک بالخصوص امریکہ پہلے ہی ایسے کئی پروگراموں اور پروجیکٹوں پر غور کررہے ہیں جن سے اردن کو کافی معاشی فائدہ پہنچے گا۔ ان سب کا مقصد مغرب نواز شاہ کے اسلامی مخالفین کو کمزور کرنا ہے۔ ●

> القدس فلسطین کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر ماہر العلمی ایک معروف صحافی ہیں جنہیں فلسطینی پولیس نے اس جرم میں گرفتار کرلیا ہے کہ انہوں نے یاسر عرفات کے بارے میں لکھے گئے ایک خوش آمدانہ مضمون کو پہلے صفحہ پر شائع کرنے کے بجائے اسے اندرونی صفحات میں جگہ دے دی تھی۔

بقیہ: بچوں کا جنسی استحصال

ہے جیسا کہ بنگلہ دیشی مظلوم لڑکی حمیدہ کی روداد قارئین کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اسی نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات میں سے گوا کے یتیم خانے کے ستر سالہ انچارج فریڈ ڈی پیٹس کے ہاتھوں وہاں کے معصوم بچوں کے جنسی استحصال کا واقعہ ہے جسے اس الزام میں ۱۹۹۱ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔ چار دفاعی وکلاء کی طرف سے ان معصوموں سے پوچھ تاچھ کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اس مقدمے میں گیارہ سے بیس سال کی عمر کے ۳۵ گواہ ہیں جنہیں عدالت میں حاضر ہونا ہے لیکن کسی نہ کسی طور پر سماعت ملتوی ہوجاتی ہے۔ تاریخ پر تاریخ پڑتی ہے اور مظلومین کو اسی پرانی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ عدالت کو بار بار یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اتنی طویل تفتیشی کارروائیوں سے مظلومین کو بڑی کوفت اور ہراسانی کا سامنا ہوتا ہے اس لئے کارروائی میں تاخیر نہ کی جائے لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا ہے۔ عدالتی نزاکتوں کے علاوہ اس طرح کے معاملات میں دیگر مصلحتوں کا بھی دخل ہوتا ہے مثلاً یہ کہ صوبائی حکومت اس بات سے خائف ہے کہ اگر یہ معاملہ زیادہ اچھالا گیا تو گوا آنے والے سیاحوں سے صوبے کو ہونے والی آمدنی کا سلسلہ بند ہوجائے گا۔ پیٹس جسے غیر ممالک سے کثیر رقمیں یتیم خانہ چلانے کے لئے حاصل ہوتی ہیں بمبئی میں مقیم حقوق اطفال کے میدان میں مصروف کار سماجی خدمت گار شیلا لبرے کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق بچوں کی برہنہ تصویریں بھی غیر ملکی میگزینوں کو بھیجا کرتا تھا اور بعض بچوں کو باہر لے جاکر فروخت بھی کردیتا تھا۔ شیلا لبرے جنہوں نے ۱۹۸۶ء میں جسم فروشی پر قابو پانے کی غرض سے مرکزی قانون سے متعلق کیبنٹ نوٹ تیار کیا تھا ان کا کہنا ہے کہ بچوں کا جنسی استحصال جرم کی دنیا میں حد درجہ منافع بخش ہے اور اس قدر منظم ہے کہ اب انٹرنیٹ پر بھی چھا گیا ہے۔ لیکن افسوس کہ جن سے کچھ امید کی جاتی ہے وہی اس لعنت کے انسداد کے لئے کچھ نہیں کرتے۔

تاہم بچوں کے جنسی استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کا مطالبہ ہے کہ (۱) بچوں کے استحصال کو الگ زمرے میں رکھ کر عصمت دری کے قانون میں ترمیم کی جائے (۲) بچوں کے جنسی استحصال کے معاملات سے ذمہ داری سے نمٹنے کے لئے پولیس کو خبردار کیا جائے (۳) پوچھ تاچھ کی تکرار سے بچنے کے لئے شہادت و ثبوت کے قانون کو ختم کیا جائے (۴) عدالتی تاخیر میں تخفیف کی جائے (۵) مشورہ جاتی مراکز اور کریچ جیسی آباد کاری کی سہولیات فراہم کی جائیں۔ جرائم سے پاک معاشرے کی تشکیل کے خواہش مند شہریوں کے ایک فورم نے وزیراعظم کو اسی ماہ ان خطوط پر جو میمورنڈم پیش کیا ہے اس کے جواب میں موصوف نے پرزور الفاظ میں حالیہ پارلیمانی مدت کے اختتام سے قبل قانونی اصلاحات کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن کیا یہ وعدہ پورا ہوسکتا ہے۔ ●

بقیہ: لرزہ براندام

نظریات کی حامی کہلاتی ہے۔ فوجی سربراہ جنرل اسماعیل کا کہنا ہے کہ ترکی فوجیں یہاں بنیاد پسند حکومت قائم نہیں ہونے دیں گی۔ اربکان کی کامیابی سے اسرائیل بھی بری طرح خوفزدہ ہے۔ ترکی میں اسرائیل کے سفیر کا کہنا ہے کہ رفاہ پارٹی کی کامیابی سے دونوں ممالک کے تعلقات پر برا اثر پڑسکتا ہے۔ تجارت پیشہ افراد کا ایک طبقہ اس کامیابی سے خوش نہیں ہے اس کا کہنا ہے کہ اس سے یوروپی یونین سے ہونے والے معاہدے سے ہم فائدہ نہیں اٹھا پائیں گے جبکہ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ اگر رفاہ پارٹی کو حکومت بنانے کا موقع نہیں دیا جاتا تو کم از کم متحدہ حکومت میں اسے شامل کرنا چاہیے کیونکہ اس سے سیکولرزم کے نام پر اسلام مخالف نظام کو پروان چڑھانے میں رکاوٹ ہوگی۔

بہرحال رفاہ پارٹی کی کامیابی پوری دنیا کو چونکانے والی ہے اور اسلام پسندوں کے علاوہ سبھی لوگ اس سے ہراساں اور خوفزدہ ہیں۔ ان کو خدشہ لاحق ہے کہ کہیں ترکی ایک بار پھر خلافت کی راہ پر گامزن نہ ہوجائے۔ ترکی میں خلافت کے احیاء کے آغاز سے کہیں پوری دنیا میں اسلامی لہر نہ چلنے لگے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام دشمن مغربی طاقتوں کے لئے زبردست پریشانی ہوگی اور اسلام کی جڑ اکھاڑنے کی ان کی ناپاک کوششیں ناکام ہوجائیں گی۔

بقیہ: اسلام دشمن اتحاد

فوج اور تجارت پیشہ عناصر کے دباؤ سے انہوں نے ساجھے کی حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا ہے، وہیں وزارت عظمیٰ کو لے کر ان کے درمیان اختلافات بھی سامنے آگئے ہیں۔ مسعود ایلماز کے بقول اس عہدے کے لئے بائیں بازو کے لیڈر کا انتخاب ہوسکتا ہے۔

الغرض ترکی میں صورت حال ابھی واضح نہیں ہے۔ لیکن اتنی بات طے ہے کہ نجم الدین اربکان کے بعض مصالحتی بیانات کے باوجود انہیں حکومت سازی کا موقع نہیں ملے گا۔ مبصرین کا خیال ہے کہ اس صورت حال سے آئندہ انتخاب میں رفاہ کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ ان سب سے قطع نظر اس بات کی بھی اہمیت ہے اور اس پہلو کو اجاگر کیا جانا چاہئے کہ اب ترکی پھر بتدریج اسلام کی طرف پلٹ رہا ہے۔ اس رجحان کے فروغ کی راہ میں روڑے ضرور اٹکائے جاسکتے ہیں مگر اس کی ہمہ تن بڑھتی ہوئی رو پر روک لگانا اب مشکل ہے۔

Milli Parliament البرلمان الملی لمسلمی الہند

Milli Parliament Building, 4/1176-D New Sir Syed Nagar, Aligarh-202002, India

اے لوگو جو ایمان لائے ہو آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں آگے آؤ تو تم زمین سے چپک جاتے ہو۔ کیا تم اس دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دینوی زندگی کی آسائشات آخرت کے مقابلے میں انتہائی حقیر ہیں۔ (التوبہ ۳۸)

ایک نئے سیاسی مستقبل کی تلاش

ملی پارلیامنٹ کا ہمہ گیر اجلاس

مقام: شری کرشن میموریل ہال پٹنہ　　تاریخ: ۱۴-۱۵ جنوری ۱۹۹۶ء

محترم / محترمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمدللہ بالاخر وہ لمحہ آ پہنچا جب ہندوستانی مسلمانوں کو ایک انقلابی اور انبیائی سیاسی رویے سے آشنا کرنے اور اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کے لئے ملک بھر سے اراکین ملی پارلیامنٹ اور دردمندان امت کے قافلے پٹنہ پہونچ رہے ہیں۔ ایک ایسی صورت حال میں جب پوری امت سیاسی مسئلہ پر زبردست کنفیوزن کا شکار ہے اور جب مشرک سیاسی پارٹیوں کی عیاریوں سے تنگ آکر آج مسلمان ایک نئے راستے کا متلاشی ہے پٹنہ اجلاس میں سیاسی بل کی پیشی کی وجہ سے اس کی اہمیت تاریخی اور Strategic ہو گئی ہے۔

ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ سیاسی امور کی کمیٹی نے گہرے غور و فکر کے بعد آپ کا نام مدعوئین کی فہرست میں شامل کیا ہے لہذا آپ سے درخواست ہے کہ اس اجلاس میں بحیثیت رکن / خصوصی مشارک / مشاہد شرکت فرمائیں، خدا کے آخری رسول کی امت کو کفار و مشرکین کی سیاسی اتباع سے نجات دلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

پٹنہ میں ہم اور ہمارے رفقاء آپ کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔

والسلام

راشد شاذ

پروگرام

۱۴ جنوری ۱۹۹۶ء: (صبح دس بجے تا دوپہر ایک بجے)

افتتاحی اجلاس

سیاسی رویے کا جائزہ / تجدید عہد / میثاق پٹنہ

دوسرا اجلاس: (سہ پہر ۳-۳۰ تا ۴-۳۰ بجے) (برائے خصوصی مدعوئین)

موضوع: سیاسی اسٹریٹجی کے عملی خط و خال / نمائندوں کے ذریعہ سفارشات کی پیشی

بحث مباحثہ / حکمت عملی کا تعین / حتمی سفارشات کی ترتیب / کام کا منصوبہ

وقفہ برائے نماز عصر، چائے باہمی ملاقات اور نماز مغرب

تیسرا اجلاس: (بعد مغرب تا آٹھ بجے شب)

حتمی سفارشات پر بحث

اختتام آٹھ بجے شب: نماز عشاء و طعام

۱۵ جنوری

چوتھا اجلاس: (بند کمرے کا اجلاس) صبح ۹-۳۰ تا ۱۱-۰۰ بجے

اعلان پٹنہ کے مسودہ پر بحث / سفارشات کی روشنی میں اعلان پٹنہ کی حتمی ترتیب

وقفہ برائے چائے (۱۱-۰۰ تا ۱۱-۳۰ بجے)

پانچواں اور آخری اجلاس (۱۱-۰۰ تا ۱-۰۰ بجے دوپہر)

دیگر امور / مشورے / مستقبل کا منصوبہ / کاموں کی تقسیم / الوداعی گفتگو

Some Important Phone & Fax Numbers

Delhi Office: Phone (011) 6827018 Fax: (011) 6926030
Aligarh H.Q. Fax/Tel: (0571) 400182
Patna Office: Phone (0612) 266900 Fax: (0612) 235213

اہم باتیں

۱۔ اس دو روزہ اجلاس میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ یہ تاریخی اجلاس محض گفتگو کی نذر ہونے کے بجائے مسلمانان ہند کی ملی اور سیاسی تاریخ میں ایک مینارہ نور ثابت ہو اور انبیائی طریقہ جدوجہد پر لوگوں کے قلوب مطمئن ہو سکیں۔

۲۔ آپ بہر صورت ۱۳ جنوری کی شام تک پٹنہ پہنچ جائیں۔ افتتاحی اجلاس شری کرشن میموریل ہال پٹنہ میں ہوگا۔ شرکاء کے قیام کا انتظام پنچایت بھون میں کیا گیا ہے جو پٹنہ میوزیم کے پیچھے واقع ہے مناسب ہوگا کہ آپ براہ راست، پنچایت بھون پہنچ جائیں۔ ویسے پٹنہ اسٹیشن کی جامع مسجد پر ہمارے رضاکار موجود ہوں گے جو قیام گاہ تک آپ کی رہنمائی کریں گے۔

۳۔ جن لوگوں تک شناختی کارڈ نہ پہنچ سکا ہو ان کا کارڈ پٹنہ میں کانفرنس آفس سے جاری کیا جائے گا۔ البتہ جن حضرات کے فوٹو ہمیں اب تک نہیں ملے ہیں یا وہ نئے افراد جنہیں آپ اس اجلاس کے لئے مفید خیال کرکے اپنے ساتھ لا رہے ہیں براہ کرم دو تصاویر ضرور ساتھ لائیں

۴۔ آپ کے پتے کے اوپر نیا کمپیوٹر نمبر درج ہے۔ رجسٹریشن کے وقت اس کا حوالہ ضروری ہے۔ براہ کرم اسے ضرور یاد رکھیں۔

۵۔ کوشش کیجئے کہ پٹنہ اجلاس میں شرکت کے لئے ہر شہر اور قریے سے غلبہ اسلام کے آرزومند دینی بھائی بہنوں کا ایک مختصر سا قافلہ ضرور تشکیل پائے۔

۶۔ صوبائی اور مرکزی دفتر کو بیک وقت اپنی شرکت کی اطلاع دیجئے اور واضح طور پر یہ بتایئے کہ آپ کا قافلہ کب کس ٹرین، بس یا ہوائی جہاز سے پٹنہ پہنچ رہا ہے اور یہ کہ آپ کے قافلے میں کتنے لوگ ہیں؟

پٹنہ میں اجلاس کے دوران قیام کے لئے اجتماعی نظم کیا گیا ہے۔ ہم یہ چاہیں گے کہ آپ نظم کی پابندی کے تحت اس قیام گاہ کو استعمال کریں البتہ کسی معقول عذر یا خرابی صحت کی وجہ سے آپ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو آپ اپنے طور پر حسب استطاعت ہوٹل کا انتظام کر لیں۔ اس بارے میں صوبائی دفتر آپ کی معاونت کرے گا۔

۸۔ خواتین شرکاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دیں تاکہ ان کے قیام و طعام کا خصوصی خیال رکھا جا سکے۔

۹۔ اجلاس کے اخراجات اور ملی پارلیامنٹ کی انقلابی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا کام بھی اہم ہے۔ ہم یہ چاہیں گے کہ آپ اپنے علاقے کے صاحب ثروت مسلمانوں کو اس نیک کام پر آمادہ کریں اور پٹنہ اجلاس میں شرکت کے لئے آتے وقت اپنے علاقے سے کچھ نہ کچھ رقم کا انتظام ضرور کرلائیں۔ دوران اجلاس مرکز کا کوئی نمائندہ ان رقوم کی وصولیابی کے لئے موجود ہوگا جسے آپ رقم دے کر رسید حاصل کر لیں۔

۱۰۔ موسم کی مناسبت سے ممکنہ حد تک گرم کپڑے ساتھ لائیں اس کے علاوہ چند موٹے قلم اور نوٹ بک کا ساتھ لانا بھی مناسب ہوگا۔

۱۱۔ اجلاس کے انعقاد تک دہلی، علی گڑھ اور پٹنہ کے دفاتر میں فون اور فیکس کی خصوصی وصولیابی کا نظم رہے گا۔ کسی بھی قسم کی معلومات کے لئے آپ ان نمبروں پر رابطہ کرنے سے نہ ہچکچایئے۔

ہم تمام تر کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن جب تک اللہ کی نصرت شامل حال نہ ہو کامیابی ممکن نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کو ایک اسلامی سیاسی رخ عطا کرنے کی اس حقیر کوشش کی، کامیابی کے لئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیجئے کہ اس تاریک سرنگ اور اندھی گلی میں جہاں پوری مسلم امت پچھلے پچاس سالوں سے پھنسی ہوئی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالی ایک راستہ منکشف کر دے۔

اللہ نے شیطان کی شکل مسخ کردی ہے صاحب ایمان جنوں کی نہیں

ابلیس کے باغی رفیق کا انٹرویو آٹھویں قسط

گزشتہ شمارے میں ہم نے انسانوں کی دنیا سے واقفیت کے خواہاں ابلیس کے جس باغی رفیق سے دمشق کی ایک مسجد میں ملاقات کا ذکر کیا تھا اس سے دوران گفتگو جنوں کی بعض خصوصیات پر بھی سوال و جواب ہوئے تھے۔ ان کی روشنی میں یہ اندازہ ہوا کہ عام انسانوں کے لئے جنوں کو ان کی اصل شکل میں دیکھنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ وہ مادی اوصاف کی حامل کوئی دیگر شکل و صورت نہ اختیار کرلیں۔ انبیاء علیہم السلام معجزے کی مدد سے ضرور انہیں اصل شکل میں دیکھ سکتے تھے یا وہ لوگ دیکھ سکتے ہیں جنہیں اللہ کی جانب سے اس کی خاص قدرت و استطاعت ودیعت کی گئی ہے یا جن لوگوں نے خصوصی ریاضت سے یہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کی ہے۔ آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ساری باتیں زیب داستاں کے لئے کہی جارہی ہیں بلکہ جنات کی بعض صفات اور ان کی صلاحیتوں کے بارے میں مسجد کے خادم اور جن کے مکالموں سے جو واقفیت ہمیں حاصل ہوئی ان پر مدلل گفتگو یہاں پیش کی جائے گی۔

بیشتر لوگ غالباً یہ نہیں سمجھتے کہ انسانی دنیا میں جنوں کی شکل و صورت کے بارے میں غلط اور افواہوں پر مبنی تصورات رائج ہیں وہ ان سے بہت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر رہتے ہیں۔ جب اس ابلیس کے قبیلے کو خیرباد کہہ دینے والے اس جن سے اس کی عام شکل و صورت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انسان کے اس تصور بیجا کا وہ بھی شاکی ملا۔ اس نے کہا انسان کا یہ خیال غلط ہے کہ جن بدصورت ہوتا ہے اور درندگی اس کے چہرے سے ٹپکتی ہے یا یہ کہ اس کی شکل بہت ہیبت ناک ہوتی ہے اور اس کی لمبی دم بھی ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ سب محض انسان کا وہم ہے۔ یہاں ہم باغی رفیق کے انٹرویو کے اس حصے کو پیش کر رہے ہیں جس میں اس نے جنوں کی شکل و شباہت پر روشنی ڈالی ہے۔

سوال: اس وہم کے لئے ن خود ذمہ دار ہے نہ کہ وہ تصور جو انسانوں کے ذہنوں میں جاگزیں ہوگیا ہے۔

جواب: وہ کیسے جناب۔ یہ ذمہ داری جن پر آپ کیوں ڈال رہے ہیں۔

سوال: کیونکہ شیطان انسان کے سامنے ڈراونی یا مکروہ شکل میں ظاہر ہوتا ہے تاکہ وہ اسے خوفزدہ کرے اور جو کچھ اس کا مقصد ہو اسے پورا کرے۔

جواب: ایسا اکثر ہوتا ہے لیکن انسان ہمارے بارے میں جو تصورات رکھتے ہیں اس کے بیان میں وہ خاصے مبالغے سے کام لیتے ہیں اور بہت سے لوگ تو جھوٹ سچ بھی گڑھ لیتے ہیں۔ جہاں تک شیطان کا تعلق ہے تو اس کی شکل تو اللہ نے مسخ کرکے بگاڑ دی ہے اور اس کے برعکس صاحب ایمان جن کی صورت اللہ تعالیٰ اچھی بناتا ہے۔

سوال: تو تمہاری وہ حقیقی شکل کون سی ہے جس پر اللہ عزوجل نے تمہیں خلق کیا ہے۔

جواب: جہاں تک ہماری ظاہری شکل و صورت کا سوال ہے تو وہ شکل جو اللہ نے بنائی ہے انسانوں کی شکلوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ اعضاء کی بناوٹ میں معمولی فرق و اختلاف ضرور ہے۔ ہمارا سر باقی جسم کے تناسب سے ذرا بڑا ہوتا ہے یعنی کہ انسان کے سر سے بڑا۔ ہماری آنکھیں انسانوں کے برخلاف چوڑائی کے بجائے لمبائی لئے ہوتی ہیں۔ ہم میں سے بعض ایسے ہیں جن کی آنکھیں لمبی اور کھڑی ہوتی ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں پیشانی کی طرف مڑی ہوئی ہوتی ہیں جیسا کہ انسانوں میں جاپانی یا چینی باشندوں کی۔ خاص بات یہ کہ ہماری آنکھیں بعض انسانی آنکھوں کی طرح تنگ اور سکڑی ہوئی نہیں بلکہ بڑی اور کھلی ہوئی رہتی ہیں جیسے کہ ہرن کی آنکھیں لیکن ان کی شکل لمبائی پر ہی رہتی ہے۔

سوال: لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگوں کی آنکھیں ہمیشہ سرخ رہتی ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے۔

جواب: ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے درمیان ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی آنکھیں انسانوں کی طرح مختلف رنگوں کی ہیں کسی کی کالی، کسی کی نیلی تو کسی کی شہد جیسی اور اگر دونوں مخلوقوں کی آنکھ میں کوئی فرق ہے تو وہ یہ کہ آنکھ کے اندر کی پتلی پوری طرح مدور یا گول نہیں ہوتی جیسی کہ تمہاری ہے بلکہ وہ بیضوی مائل ہوتی ہے۔ آنکھ کی جس سرخی کا تم نے ذکر کیا ہے کہ وہ ہم سب کی آنکھوں میں رہتی ہے تو وہ اس کے اندر بعض ہلکی شعاعوں سے پیدا ہوتی ہے جن سے ہماری آنکھیں چمکتی رہتی ہیں ان شعاعوں کا رنگ سرخ ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ ان آنکھوں کو دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں ان سے کوئی خوف نہیں آتا بلکہ وہ انہیں چمکدار اور خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔

> انسان ہمارے بارے میں جو تصورات رکھتے ہیں اس کے بیان میں وہ خاصے مبالغے سے کام لیتے ہیں اور بہت سے لوگ تو جھوٹ سچ بھی گڑھ لیتے ہیں۔ جہاں تک سیطان کا تعلق ہے تو اس کی شکل تو اللہ نے مسخ کردی ہے اور اس کے برعکس صاحب ایمان جن کی صورت اللہ تعالیٰ اچھی بناتا ہے۔

ہمارے کان گھوڑے کے کان سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ خصوصاً جس طرف سے وہ مڑا ہوا رہتا ہے۔ تاہم ہمارے درمیان ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جن کے کان بلی کے کان جیسے ہوں۔ انسان کے کان پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سائز کے اعتبار سے اس میں اور بلی کے کان میں کتنی مشابہت ہے۔ ہم میں سے جو مسلمان ہیں انہیں اگر کسی دوسری شکل اختیار کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو ان کے نزدیک پسندیدہ شکلیں بلی، گھوڑے اور شیر کی ہیں۔

ہماری ناک انسانوں کی ناک کی مانند چہرے کے عین وسط میں ہوتی ہے اور لمبائی کے بجائے فلپینس کے باشندوں کی ناک کی طرح گھنے پن کی طرف مائل ہوتی ہے۔ مسلمان اور صاحب ایمان اجنہ عموماً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں داڑھی رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے ہم اس پر ہنستے ہیں کہ اس کا چہرہ کیسا خراب لگ رہا ہے۔

ہمارے سر کے بال گھنے اور ہماری عورتوں کے تو اس سے بھی گھنے ہوتے ہیں ان عورتوں کے بال لمبے بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ایسی بھی عورتیں ہیں جن کے بال اتنے لمبے ہیں کہ زمین پر گھسٹتے ہیں۔

سوال: تمہارے ہاتھ پاؤں کیسے ہوتے ہیں اس کے بارے میں بھی تو بتاؤ؟

جواب: ہمارے ہاتھ ایسے ہی ہیں جیسے کہ تمہارے۔ ہاں فرق دو اعتبارات سے ہے۔ یعنی کہ ہتھیلی اور ناخن کی لمبائی۔ ہماری ہتھیلی جسم کے باقی اعضاء کے مقابلے میں خاص لمبی ہوتی ہے اور یہ تناسب انسانی جسم اور ہتھیلی کے تناسب سے خاصا مختلف ہے۔ اسی طرح ہمارے ناخن بھی لمبے ہوتے ہیں کیونکہ ہماری انگلیاں خود ہی لمبی ہوتی ہیں۔ ہمارے پاؤں ایک طرف سے چپٹے ہوتے ہیں اور ان کی انگلیاں مڑی ہوئی رہتی ہیں۔

سوال: کیا تمہارے جسم میں ہڈیوں کا ڈھانچہ، دل اور نظام ہضم اور نظام تنفس بھی پائے جاتے ہیں۔

جواب: یہ تمام چیزیں ہمارے جسم میں اسی طرح رکھی گئی ہیں جیسے کہ انسانوں کے جسم میں۔ ہمارا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہمارے جسم اور گوشت کی مناسبت سے خاصا پرکشش اور مضبوط ہے اور ساتھ ہی ساتھ اتنا نرم و نازک بھی کہ تم اس کا تصور نہیں کرسکتے۔ باقی جو چیزیں اللہ عزوجل نے ہمارے جسم کے اندر رکھی ہیں وہ اپنے حجم میں خاصی چھوٹی ہیں لیکن کام اسی طرح کرتی ہیں جیسے کہ انسانی اعضاء۔ ہمیں سانس لینے کے لئے اتنی آکسیجن درکار نہیں ہوتی جتنی کہ انسانوں کو۔ اسی طرح ہمارا نظام ہضم ہر اس شے کو ہضم کرلیتا ہے جو ہم کھاتے ہیں اور اللہ نے فضلے کے اخراج کے لئے جو مقامات بنائے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے انسانی جسم میں، جن سے فضلہ خارج ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے فضلے کی کوئی ٹھوس مادی شکل نہیں ہوتی بلکہ گیس کی صورت میں اس کا اخراج ہوتا ہے اسی طرح ہمارا پیشاب بھی بھاپ اور گیس کی شکل میں نکلتا ہے مگر اس میں انسانوں کے پیشاب کے مقابلے میں کثافت کم ہوتی ہے۔ ایسے شیطان بھی ہیں جو اس مسلمان کے کان میں پیشاب کردیتے ہیں جو سوتے وقت اللہ کو یاد نہیں کرتا۔ ●

بقیہ: کانپور میں منہ کی کھانی پڑی

سے فرار ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اب اسی مسلک کے ایک اجتماع میں کانپور کے حلیم ڈگری کالج میں جو کچھ ہوا اس سے کانگریسی لیڈروں اور خود وزیراعظم اور این کے شرما اور زرخرید مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانوں میں ان کی اوقات کیا ہے۔ اور خود اس مسلک میں ان کی کیا قدر ہے جس کے چند لوگوں کو وہ سر پر اٹھائے گھوم رہے ہیں۔

کانپور میں گزشتہ دنوں ایک اجتماع تھا جسے مذہبی بھی کہہ سکتے ہیں اور سیاسی بھی۔ اس میں اس مسلک کے بانی احمد رضا بریلوی کی یاد میں ایک ڈاک ٹکٹ جاری کرنے کی تیاری تھی اور اس میں مرکزی وزراء ایس بی چوان، سیتا رام کیسری، رام لال راہی، کیپٹن ایوب خاں، سبط رضی اور گورنر موتی لال ووورا شرکت کرنے والے تھے۔ لیکن ایس بی چوان اور وورا نے عین وقت پر اپنا پروگرام ملتوی کردیا۔ ان لوگوں کو کسی ہنگامہ کی اطلاع خفیہ نے دے دی تھی بقیہ لوگ پہنچے لیکن اسٹیج تک جانے کی نوبت نہیں آئی انہیں مسلمانوں نے سرکٹ ہاؤس ہی میں قید کردیا اور وہیں ڈاک ٹکٹ جاری کرنا پڑا۔

ادھر مسلمانوں اور پولیس میں تصادم ہوا جو تین گھنٹے تک جاری رہا۔ پولیس کو مشتعل عوام پر قابو پانے کے لئے فائرنگ کرنی پڑی جس میں بیس سے زائد افراد زخمی ہوگئے۔ ان میں کئی پولیس والے بھی تھے۔ کانپور کے مسلمان تین گھنٹے تک پولیس سے برسرپیکار رہے اور انہوں نے کانگریسی جلسہ نہیں ہونے دیا۔

یہ واقعہ کانگریس کے لئے زبردست دھچکہ ہے اور اس سے کانگریس کی پریشانیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ کانگریسی قیادت اس سے بہت رنجیدہ ہو اٹھی ہے۔ اور اسی لئے حکومت نے اس کے دوسرے دن ہی اعلان کردیا کہ وہ اماموں کو تنخواہ نہیں دے گی۔ حالانکہ ابھی تک کانگریس ائمہ کی تنخواہوں کا سہارا لے کر ہی اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد ظاہر کرنے کی کوشش کررہی تھی اور اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ ائمہ اس ملک کے سب سے غریب اور مفلوک الحال لوگ ہیں اور اگر کانگریس نے انہیں تنخواہ نہیں دی تو ان کا وجود داؤ پر لگ جائے گا۔ لیکن اب اسی کانگریس نے کہہ دیا کہ حکومت تنخواہ نہیں دے گی یہ کام وقف بورڈ کریں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کانگریس لیڈروں کو اپنی بے وقعتی کا اندازہ ہوتا جارہا ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ مسلمان انہیں گھاس نہیں ڈالیں گے۔ اگر انہوں نے مزید کوشش کی تو اور بھی منہ کی کھانی پڑسکتی ہے۔ ●

کمال پاشا کے سیکولر ترکی کی خلافت کی طرف واپسی

مغرب نواز اور سیکولر طاقتیں لرزہ بر اندام

تحریر: سہیل انجم

"ہم نے ترکی کے در و بام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم ایسے آتش فشاں اور طوفان بلاخیز کی مانند حکومت کی جانب بڑھ رہے ہیں کہ ہمیں روک پانا سیکولر عناصر اور اسلام مخالف قوتوں کے بس میں نہیں ہے۔ ہم اس سرزمین پر اللہ کی حکومت قائم کریں گے، ہم کتاب و سنت کے قوانین نافذ کریں گے، ہم ایک اسلامی مشترکہ مارکیٹ، ایک اسلامی اقوام متحدہ اور ایک عالمی اسلامی یونین کی تشکیل کریں گے۔" آہنی ارادوں، بلند عزائم، مومنانہ فراست اور جوش و جذبات کے ساتھ ہوشمندی و حقیقت پسندی سے بھرپور یہ جملے ہیں اس رہنما کے جس نے ترکی کو ایک نئی صبح کی بشارت دی ہے، ایک نئے دور کی نوید سنائی ہے اور جس نے ترکی کے سیکولر عناصر سمیت مغرب اور مغرب نواز طاقتوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جس نے ترکی کی اسلام مخالف سیکولر حکومت کی بنیاد کمزور کر کے اس دور خلافت کے احیاء کا آغاز کر دیا ہے جسے ترکی سے دیس نکالا دے دیا گیا تھا۔ جی ہاں یہ آواز ہے ترکی کی رفاہ پارٹی کے رہنما نجم الدین اربکان کی۔ جسے حال ہی میں اختتام پذیر انتخابات میں زبردست کامیابی ملی ہے اور جو ترکی کی سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت سے ابھری ہے۔

رفاہ پارٹی کی کامیابی سے پوری دنیا میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور وہ مسلم ممالک جو مغرب کے حاشیہ بردار ہیں لرزہ بر اندام ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر رفاہ پارٹی کو بر سر اقتدار آنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ نجم الدین اربکان کے اس کارنامے سے ایران میں بھی زبردست خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے اور الجزائر میں بھی۔ مراکش میں بھی اور افغانستان میں بھی بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کامیابی سے نیا حوصلہ ملا ہے۔ پوری دنیا میں اسے ایک بہت بڑے واقعہ کی حیثیت سے دیکھا جا رہا ہے اور مغربی طاقتیں یہ سوچ سوچ کر خوفزدہ ہو رہی ہیں کہ ترکی کی خلافت کی طرف واپسی شروع ہو گئی ہے۔ اس واقعہ سے پوری دنیا میں چلنے والی اسلام پسندوں کی تحریک کو زبردست تقویت حاصل ہوئی ہے۔ غلبہ اسلام کی جد و جہد کو ایک زبردست قوت حاصل ہو گئی ہے۔ ترکی کے مسلمانوں نے اس نظام کو خیر باد کہنے کا اعلان کر دیا ہے جسے جدید ترکی کے نام پر کمال اتاترک نے رائج کیا تھا۔ ترکی میں نئی صبح کا آغاز ہو رہا ہے، نیا سورج طلوع ہو رہا ہے اور مسلمانان ترکی نے ایک بار پھر خلافت کے نفاذ کا بگل بجا دیا ہے۔ رفاہ پارٹی کی کامیابی سے اسلام دشمن طاقتیں متحد ہونے لگی ہیں انہیں خدشہ ہے کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ گروہ حکومت پر قابض ہو جائے گا اور انہیں حاصل مراعات چھین لی جائیں گی۔ سابق وزیر اعظم تانزو سیلر اور ان کے کٹر سیاسی حریف مسعود ایلماز میں سمجھوتہ ہو گیا ہے دونوں نے اسلامی طاقتوں کو بر سر اقتدار آنے سے روکنے کے لئے ہاتھ ملا لیا ہے وہ کسی بھی قیمت پر اسلام پسندوں کو حکومت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

نجم الدین اربکان

> رفاہ پارٹی کی کامیابی سے پوری دنیا میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور وہ مسلم ممالک جو مغرب کے حاشیہ بردار ہیں لرزہ بر اندام ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر رفاہ پارٹی کو بر سر اقتدار آنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ نجم الدین اربکان کے اس کارنامے سے پوری دنیا میں چلنے والی اسلام پسندوں کی تحریک کو زبردست تقویت حاصل ہوئی ہے۔

۶۹ سالہ اربکان ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لیڈر ہیں۔ انہوں نے جرمن ٹیکنیکل کالج سے انجینئرنگ میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ ان کی پارٹی کے حامیوں کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زائد ہے۔ اربکان نے انتخابی مہم میں اعلان کیا تھا کہ اگر ان کی حکومت قائم ہوئی تو وہ ترکی کو ناٹو سے الگ کر لیں گے۔ ترکی میں قائم امریکی فضائی اڈے کو بند کر دیا جائے گا۔ اس معاہدہ پر از سر نو غور ہو گا جو حال ہی میں ترکی اور یوروپی یونین کے بیچ ہوا ہے۔ اربکان اسرائیل پی ایل او معاہدے کے خلاف اور عراق پر سے اقوام متحدہ کی پابندیاں اٹھانے کے حق میں ہیں، وہ آئین کی دفعہ ۲۴ میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قانون اتاترک نے پاس کیا تھا جس میں ترکی کو سیکولر ترکی قرار دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔

امریکہ سمیت پورا مغرب اربکان کی مخالفت اس لئے کر رہا ہے کہ اگر وہ بر سر اقتدار آگئے تو اس ملک میں ان کے مفادات بری طرح متاثر ہوں گے۔ مغرب ترکی سے بہت فوائد اٹھا رہا ہے وہ ان سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس کی پوری کوشش تانزو سیلر اور ایلماز کی متحدہ حکومت بنوانے کی ہے۔ حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے کٹر مخالف ہیں اور بارہا ان میں آپس میں ٹکراؤ بھی ہو چکا ہے۔ ترکی میں امریکی فضائی اڈہ ہے جہاں سے اس نے عراق پر حملہ کیا تھا اور جہاں سے وہ سرد جنگ کے دوران سوویت یونین کی نگرانی کرتا رہا ہے۔ یہاں اس نے عراق کے لئے نو فلائی زون (عدم پرواز خطہ) بھی بنایا ہے جو عراق کے حصوں پر بھی مشتمل ہے اور جہاں عراقی طیارہ پرواز نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بوسنیا میں مغرب کے مشن کی کامیابی میں ترکی کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اس لحاظ سے ترکی کی مغرب کی نظروں میں زبردست اہمیت ہے اور وہ اس کو کھونا نہیں چاہتا۔

سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ فوج بھی اسلام پسندوں کو اقتدار سے روکنا چاہتی ہے۔ کیوں کہ فوج بھی سیکولر ہے اور اتاترک کے سیکولر

باقی ص ۴ پر

اسلام پسندوں کو اقتدار سے دور رکھنے کے لیے اسلام دشمنوں میں اتحاد

ترکی ۱۹۲۳ء سے عثمانی سلطنت کے خاتمے کے بعد سے ایک مغرب نواز سیکولر ملک ہے جہاں مظالم کے ذریعہ حکمراں طبقہ نے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ناکام کوشش کی۔ یوں تو عوامی سطح پر اسلام ترکی میں ہمیشہ موجود رہا لیکن سیاسی سطح پر اس کی اہمیت ۱۹۷۰ء کی دہائی میں محسوس کی جانے لگی۔ ۱۹۸۰ء تک اسلام پسند کافی اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے۔ اسی سال رفاہ پارٹی کے صدر نجم الدین اربکان نے ہاتھ میں قرآن شریف کو اٹھا کر ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کی تھی۔ اس کے فوراً بعد فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا جو ۱۹۸۳ء تک قائم رہا۔ فوج خود کو مصطفےٰ کمال کے سیکولر ترکی کا محافظ کہتی ہے اور اسے ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہتی ہے۔

فوج، مغرب اور سیکولر عناصر کی مخالفت کے باوجود رفاہ پارٹی کی مقبولیت بڑھتی رہی۔ چنانچہ چند ماہ قبل کے میونسپل انتخابات میں اس نے ۲۹ شہروں کی میئر شپ جیت لی جس میں انقرہ اور استنبول شامل ہیں۔ رفاہ کے تمام ہی میئر بڑی کامیابی اور تن دہی سے عوام کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ میونسپل سطح پر رفاہ کی کامیابی نے عوام کو یقین دلا دیا کہ وہ ملک کا نظم و نسق کامیابی سے چلا سکتے ہیں۔

رفاہ پارٹی نے اس انتخاب میں اسلام کے نام پر حصہ لیا۔ اس نے کھلے عام اعلان کیا کہ وہ فتح کے بعد ترکی کو ایک اسلامی ریاست بنا دیں گے

سلیمان دیمرل

نیز اسے ناٹو اور یوروپی کسٹم یونین سے باہر نکال کر اسے اسلامی دنیا سے قریب کریں گے۔ رفاہ ایک اسلامی معاشی مارکیٹ کا بھی قیام چاہتی ہے تاکہ مغرب کی محتاجی ختم ہو۔ ان سب کے علاوہ رفاہ غرباء کے لئے ہسپتال، اسکول اور دوسرے رفاہی کام کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ غریبوں میں کافی مقبول ہے۔ رفاہ اسکولوں میں بچیوں کے سروں پر اسکارف باندھنے پر پابندی کو بھی ختم کرنا چاہتی ہے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے حالیہ انتخاب میں رفاہ سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری ہے۔

ترکی میں متناسب نمائندگی کا نظام قائم ہے جس کے مطابق پارلیامنٹ میں کوئی سیٹ حاصل کرنے کے لئے کم از کم دس فیصد ووٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔ رفاہ نے ۲۱ فیصد سے زائد ووٹ لے کر پارلیامنٹ میں سب سے زیادہ ۱۵۸ سیٹیں حاصل کی ہیں۔ تانزو سیلر کی ٹرو پاتھ پارٹی نے ۱۳۵ اور مسعود ایلماز کی مدر لینڈ پارٹی نے ۱۳۲ نشستیں جیتی ہیں۔ بقیہ سیٹیں یعنی ۱۲۵ جو بائیں بازو کی پارٹیوں کو ملی ہیں۔

اس کامیابی کے بعد رفاہ پارٹی کے لیڈر نجم الدین اربکان نے کہا کہ صدر سلیمان دیمرل کو انہیں روایت کے مطابق حکومت سازی کی دعوت دینی چاہئے۔ لیکن دیمرل کا کہنا ہے کہ دستور کی رو سے وہ اس کے پابند نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ وہ لوگ، خاص طور سے تجارت پیشہ طبقہ اور دوسرے سیکولر عناصر تانزو چیلر اور مسعود ایلماز پر زور دے رہے ہیں کہ وہ رفاہ کو اقتدار سے دور رکھنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ یہ دونوں لیڈر کئی معاملات پر یکساں خیالات کے باوجود ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن رفاہ دشمنی میں انہوں نے اپنی باہمی دشمنی کو سردست ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ بائیں بازو کی دونوں پارٹیوں نے بھی رفاہ کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے دائیں بازو کی دونوں پارٹیوں کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ تانزو سیلر اور مسعود ایلماز میں ملاقات بھی ہوئی ہے۔ جہاں مغرب،

باقی ص ۴ پر

تانزو سیلر اور مسعود ایلماز میں اتحاد

جب وہ گھروں کو لوٹتے ہیں تو ان کے ذہن ودل اسلام سے منور ہوتے ہیں

برطانیہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اسلام داخل ہوتا جارہا ہے

دنیا کے کسی بھی کونے میں آباد تارکین وطن کے سامنے دیار غیر میں خود کو حالات کے مطابق ڈھالنے یا اپنی کوئی شناخت و حیثیت قائم کرنے کے درمیان انتخاب کا فیصلہ ہمیشہ ایک خاصا دشوار مرحلہ رہا ہے۔ خصوصاً جب ایسے تارکین وطن کا اتنا بڑا گروہ وجود میں آجائے جو ہر شعبہ زندگی میں مقامی افراد کی ہمسری کرنے لگے تو اس شناخت کو تسلیم کرانے کا احساس کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کرجاتا ہے۔

اس پس منظر میں اگر برطانیہ میں آباد دو ملین سے زائد ایشیائی اور خصوصاً برصغیر کے تارکین کی نسل سے تعلق رکھنے والے ابھرتے ہوئے مسلم نوجوانوں کے احساس و افکار کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ان کے نزدیک نسلی اور علاقائی ربط کے مقابلے میں دین و مذہب کا وہ تعلق زیادہ قدر رکھتا ہے جو وہ کسی نو مسلم سیاہ یا سفید فام شخص سے محسوس کرتے ہیں۔ ایمان و اعتقاد کے حوالے سے مختلف رنگ و نسل اور زبان و تہذیب سے وابستہ لوگوں کے قریب آنے کی خواہش ان میں دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اس اعتبار سے لندن کے مسلمانوں کو بہت اچھے مواقع حاصل ہیں جہاں دنیا کے دیگر حصوں کے مسلمانوں سے ان کے مقابلے کے پورے امکانات ہیں۔ یہاں آباد مسلمانوں نے برطانوی تہذیب کے اثرات کو اپنے اندر ضم کرتے ہوئے اپنی مسلمان کی حیثیت برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

برطانیہ کی موجودہ نوجوان مسلم نسل میں خاص تعداد ایسے افراد کی بھی ہے جو اپنے آبائی مذہب وعقیدے سے دامن چھڑا کر عقل و شعور کی روشنی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے والدین پر اچانک یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے یا بیٹی نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے تو وہ ششدر رہ جاتے ہیں۔ یہ طبقہ تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل ہے جنہوں نے انگریزی کو رابطے کی زبان کی حیثیت سے اختیار کرکے بنگالی، اردو، عربی، یوروبا اور ہوسا جیسے لسانی گروہوں میں منقسم اپنے والدین کے درمیان حائل نسلی ثقافت کو ختم کردیا ہے۔ ایشیائی تارکین وطن اور ان کی اولاد کے درمیان ابھرتے ہوئے نسلی تفاوت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ نوجوان ذہن نسبتاً آزاد و مغربی اقدار کی طرف مائل ہورہا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اپنے والدین سے الگ ہونے والے ایسے بھی نوجوان ہیں کہ جب وہ گھر لوٹتے ہیں تو ان کے ذہن و دل اسلام سے منور ہوتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایشیائی والدین کو اپنی ذہنی عصبیت کے تحت یہ تو گوارہ ہے کہ ان کی اولاد بے راہ روی کا شکار ہوجائے لیکن اسلام کی طرف ان کا میلان انہیں کسی قیمت پر منظور نہیں۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق برطانیہ کے جنوب ایشیائی باشندوں کی مجموعی تعداد میں سے ۴۷ فیصد وہیں پیدا ہونے والے افراد کی ہے۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت چونکہ انگریزی طرز پر ہوئی ہے اس لئے اپنے ماحول اور معاشرے سے متعلق سوالات کے واضح انداز میں جواب تلاش کرنے کا رجحان ان میں پروان چڑھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم اور نو مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل گروپ کی نگرانی میں شائع ہونے والے اخبار Q - News میں برطانوی معاشرے کے ہر طبقے اور گروہ سے متعلق خبریں شامل ہوتی ہیں خواہ اس سے کسی دوسرے گروہ کی ناراضگی کا سامان فراہم ہوتا ہو۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا یہ ذمہ دار نوجوانوں پر مشتمل گروہ ہے اس اخبار میں مسلم دیندار لڑکیوں کی طرف سے پابند صوم و صلوۃ لڑکوں سے شادی کے پیغامات بھی شائع ہوتے ہیں جب کہ پرانا دستور یہ رہا ہے کہ شادی کے پیغامات لڑکیوں کے سلسلے میں عموماً ان کے والدین یا عزیز و اقارب کی طرف سے دئے جاتے تھے۔

اس ہفتہ وار اخبار کے مسائل کے کالم میں فقہی مسائل پر بحثیں بھی چھپتی ہیں لیکن ان کا دائرہ خاص وسیع ہوتا ہے اور مشت زنی، لواطت اور زنا جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے چونکہ انسانی زندگی کے یہ ایسے گوشے ہیں جن کو شاید اشاروں کنایوں میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش اس اختصاصی دور میں بہت مفید نہیں ثابت ہورہی ہے۔ اس اخبار کے ادارتی بورڈ سے وابستہ فوزیہ بورا، جمیل علی اور سعدیہ عرفان اور بریڈ فورڈ اسکول گورننگ بورڈ کے چیرمین اکرم خاں چیمہ کی متفقہ رائے ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے رہنے کے لئے برطانیہ سب سے اچھی جگہ ہے جہاں ایک رنگا رنگ ماحول میں اسلام کو سمجھنے اور اس کے پیغام کو آگے بڑھانے کے پورے مواقع حاصل ہیں۔

اس وقت اگرچہ برطانوی ایشیائی کمیونٹی میں لروڑ پتیوں، اسکالروں، نوبل انعام یافتگان، اعلیٰ اور فنی تعلیم یافتہ افراد کی تعداد سیاہ فاموں کے مقابلے میں کم نہیں ہے لیکن بے روزگاری کا خوف ان پر منڈلا رہا ہے۔ بریڈ فورڈ میں پچیس سال سے کم عمر کے پچاس فیصد مسلمانوں کے پاس کوئی باضابطہ روزگار نہیں ہے۔ اور ایشیائی بے روزگاروں کی کل تعداد تیس فیصد ہے جب کہ یہ شرح سیاہ فاموں میں صرف ۹ فیصد ہے۔ ملازمت کی جگہیں اگر نکلتی بھی ہیں تو وہ زیادہ تر جزوقتی ہوتی ہیں یا خواتین کے لئے مخصوص کردی جاتی ہیں۔ مسلم نوجوانوں کی بے روزگاری کا مسئلہ سنجیدہ ذہنوں کے لئے یقیناً تشویش کا باعث ہے۔ ایک حلقہ ان کی معاشی پستی کے لئے گہری مذہبیت کو ذمہ دار قرار دیتا ہے اس کے مطابق مسلم خاندانوں کی معاشی حالت کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ ان کی عورتوں کو روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ خاندان کی آمدنی بڑھ سکے۔

نوجوان برطانوی مسلمانوں کو ایک ایسی عبوری نسل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جسے خود اپنے لئے نئی قدروں کے سیکھنے کے عمل سے گزرنا ہے۔ ابھی تک اہل اسلام نے مغرب کو شیطان کے مسکن کی حیثیت دی ہے لیکن جمیل علی کا خیال ہے کہ مذکورہ برطانوی عبوری نسل پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ جمیل جیسے برطانوی مسلمان ہی مغرب کے نمائندے ہیں۔

اس عبوری نسل نے اپنی اقدار کے استحکام کی سمت میں جو کوششیں کی ہیں ان کا نتیجہ برطانیہ میں پھیلے ہوئے ۴۳ پرائیویٹ مسلم سکنڈری اسکولوں کا جال ہے جس کے لئے خود آگاہ مسلم سیاستدانوں کو برطانوی ارباب اقتدار کے سامنے سینہ سپر ہونا پڑا جو برطانوی ٹیکس دہندگان کے بھروسے پر اجنبی نظریات کو اپنے وطن میں پنپنے کی اجازت دے کر اسلامی نظام کے زیر سایہ لڑکیوں کی مزعوم حق تلفی کے خیال سے خائف تھا۔ ان اسکولوں میں زیر تعلیم لڑکے اور لڑکیوں کو پہلے اپنی قوم کا فرد بنانا اور پھر ایک وسیع تر قوم کا فرد بنانا مقصود ہے تاکہ پہلے وہ اپنے خالق سے اپنے رشتے کی شناخت کریں اور اس کے بعد زندگی کے مختلف مراحل میں معاشرے کے افراد کے ساتھ اپنے روابط اور طرز سلوک سے واقف ہوں۔

برطانیہ کی بعض اہم مسلم شخصیتوں میں مصری اسکالر ڈاکٹر ذکی بدوی کا نام سب سے پہلے لیا جاسکتا ہے جو مسلم کالج کے پرنسپل اور ریجنٹ پارک مسجد کے سابق امام ہیں۔ روایتی اسلام اور جدید مغربی ضابطے کے درمیان خلیج کو انہوں نے کافی حد تک پر کیا ہے۔ تاہم سلمان رشدی کی آزادی تقریر کے معاملے میں ان کی حمایت نے جنوبی ایشیائی کمیونٹی میں ان کی مقبولیت کو متاثر کیا ہے۔

شیر اعظم بریڈ فورڈ کونسل برائے مساجد کے چیرمین۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں کے اتحاد سے سلمان رشدی مخالف یو کے ایکشن کمیٹی برائے اسلامی امور کے وہ بانی بھی ہیں۔ فواد نہدی یمنی النسل صحافی بی بی سی ورلڈ سروس سے وابستہ رہے ہیں۔ Q - News کا خیال انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ اور مسلم پارلیمنٹ کے بانی کلیم صدیقی ہیں جنہوں نے اسلام کو مغرب سے لاحق خطرات سے دنیا کو آگاہ کرانے میں نمایاں رول انجام دیا ہے۔

(تلخیص و ترتیب: س۔ احمد)

بقیہ: بجٹ

و قانون کی بحالی ریاست کی اپنی ضرورت بھی ہوتی ہے صرف اتنا کردینے سے مسلمانوں کا حق ادا نہیں ہوجاتا مثال کے طور پر مغربی بنگال کا مسلمان دیگر ریاستوں کے مقابلے میں انتہائی افسوسناک حالت میں ہے اور سرکاری ملازمتوں میں اس کا تناسب محض 050% فیصد ہے۔

بہار میں البتہ بنگال جیسی حالت نہیں ہے بلکہ بہت حد تک یہاں مساوات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اٹھارہ مہینوں سے اگر ملازمین (بعض محکمہ کے) کی تنخواہیں بند ہیں تو بلا تفریق بند ہیں۔ سڑکیں نہیں بن رہی ہیں سب کے لئے نہیں بن رہی ہیں۔ روزگار کے مواقع نہیں ہیں تو کسی کے لئے نہیں ہیں اور گھر میں اندھیرا ہے تو سب کے ہے اور اگر معلمین کی بحالیاں ہورہی ہیں تو مسلمانوں کی بھی ہورہی ہیں وغیرہ اس لئے ترجیح نیشنل فرنٹ ہے جو کسی حد تک غنیمت ہے لیکن اس عہد و پیمان کے ساتھ کہ ہم کسی کے بندھوا مزدور نہیں ہیں اور اب بار بار ایک ہی بل سے ڈسے جانا بھی نہیں چاہتے۔ اس لئے وہ اس بھرم میں بستلا نہ ہوں کہ مسلمان ہر حال میں ان کی حمایت کے لئے مجبور ہے مسلمانوں کے لئے قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ بی جے پی کو مرکز تک پہنچنے سے روکا جائے۔ ماضی میں کچھ ایسی غلطیاں ہوچکی ہیں جس کی وجہ سے مسلم اکثریتی علاقوں سے بھی بی جے پی کا امیدوار کامیاب ہوچکا ہے۔ اس لئے ایسی حکمت عملی کی ضرورت ہوگی کہ بی جے پی کے امیدوار کو ناکام کیا جاسکے۔ جیسے جیسے انتخاب کا وقت قریب آئے گا ہماری صفوں میں شگاف ڈالنے کا عمل بھی تیز تر ہوتا جائے گا اور اس کے لئے تقدس مآب شخصیتوں کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں اس لئے ہمیں صاحب جبہ و دستار کی عیارانہ چالوں سے بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے گویا ملک کا آئندہ انتخاب ہماری سیاسی بصیرت کا امتحان ہوگا جس میں اگر ہم ناکام ہوگئے تو یاد رکھئے گزرے ہوئے لمحوں کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

بقیہ: — آپ کی الجھنیں

چالیس ہزار روپے تھی تو پہلے سال ایک ہزار روپے زکوۃ ہوئی دوسرے سال ۳۹ ہزار پر اور تیسرے سال ۳۸ ہزار پر زکوۃ نکالنے کے بعد جو رقم ڈھائی فیصد۔ اسی طرح بتدریج رقم کم ہوتی جائے گی۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ یتیم کے مال کو کسی تجارت وغیرہ میں لگایا جائے اور اگر ولی اس پر قادر نہ ہو تو کسی ایسے امانت دار شخص کے حوالے کردے جو اسے تجارت میں لگا کر منافع ولی کو دے دے اور یہ صورت بھی ہے کہ ولی اسے کسی اسلامی بینک میں جمع کردے جہاں اس پر جائز منافع کمایا جاسکے۔ جہاں تک سائل کے اس خوف کا تعلق ہے کہ یتیم کیسے یقین کرے گا کہ ولی نے اس کے مال پر زکوۃ نکالی ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف حقیقت ہو کیونکہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ولی پر اس مال کی زکوۃ نکالنی واجب تھی اور تاخیر کی صورت میں وہ گنہگار ہوتا۔

پاکستان کی نام نہاد حقوق نسواں تنظیموں کے ارشادات

زنا سے متعلق شرعی قوانین خواتین کی آزادی پر ڈاکہ ہیں

راج شری داس گپتا کی رپورٹ کا تجزیہ

حقوق انسانی اور حقوق نسواں کی بزعم خود محافظ اور عورتوں کو عملاً پبلک پراپرٹی بنانے کے درپے استحصال پسند اسلام مخالف مغربی طاقتوں کی پرداختہ خواتین تنظیمیں تو سرگرم عمل ہیں ہی اسلامی جمہوریہ پاکستان بھی ان کی دست برد سے بچا ہوا نہیں ہے۔

یہ تنظیمیں ہمہ گیر اسلام مخالف تحریک چھیڑے ہوئے ہیں۔ گویا کہ انہیں یوں تو ہر تضحیک اور ذلت گوارا ہے لیکن اس سے محفوظ و مامون رہنے کے اسلام کے مقرر کردہ اصول کو انہوں نے ہر قیمت پر طوق غلامی گردانتے رہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ پچھلے دنوں لاہور کے حمیرا آرٹ سنٹر گارڈنس میں خواتین کی طاقت و اختیار کے استعارے کے طور پر فضا میں غبارے اڑانے کی رسم اسکولی طلباء و طالبات اور ادھیڑ عمر خواتین کے جوشیلے اجتماعی نغمے کے درمیان ایک ہزار "بیدار ذہن" عورتوں کے اجتماع کا افتتاح تھا جس میں ۱۹۷۷ء کے مارشل لا مخالف خیالات کی ترویج میں آگے رہنے والی نگہت سعید خاں، آرٹس کالج لاہور کی پرنسپل اور نظام شکن ہجو پر مشتمل مزاحیہ ڈراموں کی کردار سلیمہ ہاشمی حقوق نسواں پر بے عنان بولنے والی "نیوز آن فرائڈے" کی نوجوان ایڈیٹر منہا مسرور، اسٹیج آرٹسٹ اور دو بچوں کی ماں ثمینہ احمد اور اسٹیج پر اپنے رقص سے اسلام کاری کا منہ چڑانے والی طاہرہ مزار علی جیسی خواتین شامل تھیں جنھوں نے Gatt سے لے کر ماحولیات اور حقوق نسواں کے موضوعات پر بحث و مباحثے میں بھرپور حصہ لیا۔

خواتین کے اس اجتماع نے اس عام تصور کی تردید کردی ہے کہ پاکستانی خواتین محض ایک بے چہرہ و بے آواز وجود بن کر رہ گئی ہیں کہ چابک و سنگ زنی اور پردے میں مقید رہنا ان کا مقدر بن چکا ہے۔ ان کی حمایت میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے حامی قوانین کی تعین مقرر کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے۔ سرکاری اور نجی سیکٹر کے ملازمتوں میں عورتوں کے لئے بالترتیب دس اور پانچ فیصد کے تحفظ کا فیصلہ بھی اسی حمایت کی ایک کڑی ہے۔

"انتہا پسندانہ" عناصر اور شرعی قوانین سے لوہا لینے کے ضمن میں اقلیتوں اور خواتین کے لئے ہمہ وقتی قانونی سیل چلانے والی پاکستانی کمیشن برائے حقوق انسانی کی چیرمین اسماء جہانگیر کا نام سرفہرست ہے جن پر پچھلے دنوں ارتداد کے الزام میں ماخوذ چودہ سالہ سلامت مسیح کے کیس کی کامیاب پیروی کی پاداش میں حملہ ہوا تھا۔ یہ وہی اسماء جہانگیر ہیں ذوالفقار علی بھٹو نے جیل میں ڈلوا دیا تھا اور اسماء نے ان کے خلاف جیلانی کی طرف سے اپیل دائر کی تھی۔ وہ پاکستان میں اسلام کاری کے عمل کو وہاں کے حکمرانوں کے عدم تحفظ کا اظہار اور شریعت کے نام پر سیاسی کھیل قرار دیتی ہیں جس کے تحت اسلام کا غلغلہ بلند کرکے عوام کو لوٹا اور دبایا جارہا ہے۔ بے نظیر حکومت کے تئیں ان کا تاثر یہ ہے کہ وہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف سخت قدم اٹھانے میں مصلحت پسندی سے کام لے رہی ہے جب کہ بے نظیر بھٹو تمام خطرات سے آگاہ ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی کا قلع قمع کرنے میں عوامی تعاون کے لئے وہ ہندوستان کی طرف پرامید نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں وفاقی کونسل کے ممبر ڈاکٹر اسرار احمد کی تمام ملازمت پیشہ خواتین کو سبکدوش کردئے جانے اور ہنگامی حالات کے علاوہ عموماً گھر کی چہار دیواری سے نکلنے پر پابندی عائد کرنے کی تجویز کو خاص طور پر حقوق نسواں کی علمبرداروں نے ہدف تنقید بنایا ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں کو عام زندگی کے دھارے سے کاٹنے کے اسی رجحان نے ۱۹۸۲ء میں پاکستانی خواتین کھلاڑیوں کو ایشیائی کھیلوں میں شرکت سے محروم کیا تھا۔

ان کا کہنا ہے کہ زنا سے متعلق حدود کا شرعی قانون خواتین کی ذاتی آزادی پر ڈاکہ ہے اور اسی احساس کے تحت کراچی میں ویمنز ایکشن فورم کا قیام عمل میں آیا جس کی شاخیں دیگر بڑے شہروں میں بھی ہیں۔ اس تنظیم نے جس کے سر مارشل لا کی مخالفت میں پہلی بار اٹھ کھڑے ہونے کا سہرا بھی ہے شہادت کے قانون اور بسرِ ضیاء الحق کی اور اسلام کاری کی مہم کے خلاف ۸۴ - ۱۹۸۳ء میں احتجاجی مظاہرے کئے تھے اور پوسٹر بھی لگائے تھے۔ انقلاب پسندوں کا خیال ہے کہ حقوق نسواں کے دفاع میں آواز بلند کرنے والوں کی سرکوبی کی کوششوں اور پولیس کی بے رحمانہ کارروائیاں ویمنز ایکشن فورم جیسی دیگر ذیلی تنظیموں کے جا بجا وجود میں آنے کا سبب بنیں۔ انہیں اس پر افسوس بھی ہے کہ اگرچہ ۱۹۸۵ء میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کا خاتمہ ہوگیا لیکن عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے روادار شرعی قوانین آج بھی اپنی جگہ پر باقی ہیں۔ مثلاً عورتوں کو روزگار کے موقع سب سے بعد میں دیا جاتا اور انہیں برطرف سب سے پہلے کیا جاتا ہے یا ایک ہی نوعیت کے کام کے لئے مرد اور عورت کی اجرت میں تین گنا فرق ہے۔ یا روزانہ چھ عورتیں دوران ولادت دم توڑ دیتی ہیں (چاہے دفتروں، کھیتوں، کارخانوں، ملوں، گوداموں اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں دوران عمل یومیہ اٹھارہ بیس افراد روز ہلاک ہوجاتے ہوں)۔

انسانیت کی غمخواری کا دم بھرنے کی آڑ میں ویمنز ایکشن فورم پاکستانی عورتوں کو، زنا سے متعلق شرعی حدود مجریہ ۱۹۷۹ء، قانون شہادت مجریہ ۱۹۸۴ء، قانون ارتداد مجریہ ۱۹۸۶ء اور قانون قصاص و دیت کے خلاف میدان میں اتر آنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ عصمت دری کے مقدمات میں ثبوتوں کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

دیکھنا یہ ہے کہ نئے فوجی سربراہ جنرل کرامت کیا کرامات دکھاتے ہیں

لیفٹننٹ جنرل جہانگیر کرامت پاکستانی فوج کے نئے سربراہ ہیں۔ انہیں جنرل عبدالوحید کے بعد چیف آف آرمی اسٹاف بنایا گیا ہے۔ یہ اپنے عہدے کا چارج ۱۲ جنوری سے سنبھالیں گے۔ ان کی تقرری میں ضابطے پر عمل کیا گیا اور چونکہ یہ سب سے سینئر ہیں اس لئے انہیں یہ عہدہ دیا گیا۔ حالانکہ اس سے قبل بارہا قواعد و ضوابط کی صریح خلاف ورزی کرکے نیچے سے لاکر چیف آف آرمی اسٹاف بنائے گئے۔ ان میں سب سے نمایاں کیس جنرل ضیاء الحق کا تھا جنہیں آٹھ جنرلوں کو نظر انداز کرکے سربراہ بنایا گیا تھا۔

پاکستان میں فوج کے ہاتھ میں زبردست حکومتی طاقت ہوتی ہے۔ وہی شخص حکومت پر زیادہ دنوں تک فائز رہ سکتا ہے جس کو فوج کا اعتماد حاصل ہو جس نے اس اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ فیلڈ مارشل ایوب خاں، جنرل یحیی خاں اور جنرل ضیاء الحق نے حکومت بھی کی۔ مجموعی طور پر پاکستان کی تخلیق سے لے کر اب تک پاکستان میں پچیس سال تک فوجی حکومت رہی۔ روایت یہ بھی ہے کہ اگر فوجی سربراہ اپنے عہدے میں توسیع چاہے تو ایک سال کی توسیع بھی مل جاتی ہے۔ جنرل وحید نے صدر لغاری اور بے نظیر کی توسیع ملازمت کی پیشکش کو مسترد کرکے جنرل کرامت کی راہ ہموار کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خود ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔

جنرل کرامت کی تقرری ان کے لئے کانٹوں کا تاج بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ حالانکہ وہ ایک پیشہ ور فوجی ہیں، سیاست سے دور رہنے والے ہیں، ملک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز بھی حاصل کرچکے ہیں، سرد جنگ کے بعد ایک قابل ذکر رول بھی انجام دیا ہے، افغانستان میں بھی ان کی اہم خدمات ہیں۔ انہوں نے ضرب مومن کے تصور کو عملی جامہ پہنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اور فوج میں ان کی زبردست مقبولیت ہے لیکن پھر بھی ایسے حالات میں جب کہ کچھ فوجی جرنلوں کے ذریعہ اسلامی انقلاب کی کوشش کی جاچکی ہو جن میں کچھ کا کورٹ مارشل کیا جانا ہو اور سندھ بالخصوص کراچی لاشوں کے شہر میں تبدیل ہوتا جارہا ہو، جنرل کرامت کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ دریں اثنا مغل دور کے ایک ۳۰۰ سالہ قدیم کھنڈر نما قلعہ میں اسلامی انقلاب کی کوشش کے جرم میں چار فوجی افسروں کے خلاف عدالتی کاروائی شروع ہوگئی ہے۔ ان چاروں میں ایک میجر جنرل بھی ہے۔ ان لوگوں کو گرفتار کے بعد سے ہی اٹاک قلعہ میں نظر بند رکھا گیا ہے۔ کورٹ مارشل میں اگر ان فوجی افسروں کو قصوروار پایا گیا تو ان کے لئے موت کی سزا سنائی جاسکتی ہے۔

نئے فوجی سربراہ صدر لغاری کے ہمراہ

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر بھٹو کے لئے یہ زیادہ معاون ثابت ہوسکتے ہیں ورنہ پہلے کی مانند پھر ضوابط کی خلاف ورزی کرکے نیچے سے کسی کو لایا جاسکتا تھا۔ لیکن کیا یہ بے نظیر کی توقعات پر پورے اتریں گے اور پاکستان کو لاحق بحران سے اسے نکالنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک باصلاحیت اور وفادار فوجی افسر ہیں اور انہیں اہم کاموں کا تجربہ بھی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کشمیر سے متعلق معاملات اور فوج میں پرورش پا رہے اسلامی ذہن کے فوجیوں سے وہ کیسے نمٹتے ہیں۔

دو متضاد طاقتیں روس کو اپنی گرفت میں جکڑ لینے کے درپے

روس پر یا تو پھر کمیونسٹوں کا تسلط ہو جائے گا یا فاشسٹوں کا

گزشتہ دنوں ہونے والے روسی انتخابات نے پوری دنیا کو چونکا دیا ہے۔ یہ سوال اب ہر ذہن میں گونج رہا ہے کہ کیا روس ایک بار پھر کمیونسٹوں کے زیر اقتدار آجائے گا یا ولادیمیر زیرونوسکی جیسے فاشزم کے علمبردار اس پر حکمرانی کریں گے۔ انتخابات میں کیونسٹ پارٹی سب سے بڑی جماعت کی شکل میں ابھری ہے۔ اسے سب سے زیادہ فیصد ووٹ ملے اور اس طرح وہ ۴۵۰ رکنی پارلیامنٹ میں ۱۵۸ سیٹوں کی حقدار قرار پائی۔ زیرونوسکی کی انتہاپسند کاشنٹ پارٹی کو تیسرے نمبر پر ۵۱ سیٹیں اور موجودہ وزیراعظم کی پارٹی کو ۵۵ سیٹیں ملی ہیں۔ بقیہ سیٹیں یا تو آزاد امیدواروں نے یا دوسری چھوٹی جماعتوں نے جیتی ہیں۔

زیرونوسکی

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ روسی پارلیامنٹ میں کمیونسٹوں اور انتہا پسند قوم پرستوں کے عروج سے روس دوبارہ کمیونزم یا فاشزم کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ پارلیامنٹ کے پاس اختیارات بہت کم ہیں۔ سارے اہم اختیارات صدر کے پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے روس کے مستقبل کی صحیح پیشن گوئی آئندہ جون کے صدارتی انتخابات کے نتائج کے بعد ہی کی جاسکے گی۔ مغرب اصلاحات کے باوجود روس کی توقع سے کم مدد کر رہا تھا۔ ممکن ہے کمیونسٹوں اور فسطائی طاقتوں کے عروج کو روکنے کے لئے وہ زیادہ کھل کر اور بغیر لیت و لعل کے یلتسن اور دوسرے مغرب نواز جمہوریت پسندوں کی مدد کریں تاکہ جون کے صدارتی انتخاب میں کوئی مغرب نواز ہی کامیاب ہو۔ بورس یلتسن، جن پر دوبارہ دل کا دورہ پڑ چکا ہے، حال ہی میں دو ماہ آرام کے بعد آفس لوٹے ہیں اور یہ اعلان کیا ہے وہ معاشی اصلاحات کی پالیسی پر گامزن رہیں گے۔ انہوں نے جون کے صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کے بارے میں کہا کہ وہ آخری فیصلہ فروری میں لیں گے۔ اگر وہ انتخاب میں حصہ نہیں لیتے تو پھر مغرب نوازوں کے امیدوار موجودہ وزیراعظم چرنومردین ہوں گے۔

کمیونسٹ اگر برسر اقتدار آبھی جائیں تو شاید اب گورباچوف سے پہلے والا کمیونسٹ نظام نہ قائم کر پائیں۔ اسی طرح زیرونوسکی کے لئے وہ کچھ کرنا مشکل ہوگا جو وہ اکثر غیر ذمہ دارانہ انداز میں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں طاقتوں کی حالیہ کامیابی کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ روسی وزیراعظم نے نئی کابینہ میں کمیونسٹوں کو جگہ دینے کی پیشکش کی ہے۔ اس پیشکش کو کمیونسٹ پارٹی نے قبول کرنے کے لئے معاشی پالیسی میں زبردست تبدیلی کا مطالبہ کیا ہے۔ جو ظاہر ہے قبول نہیں کیا جائے گا۔ دوسری طرف زیرونوسکی نے اپنی پارٹی کے لئے کابینہ میں تین سیٹوں کا مطالبہ کیا ہے جو شاید قبول نہیں کیا جائے۔ دراصل سیکس، حماقت اور غیر ذمہ داری کے لئے مشہور زیرونوسکی سے کوئی بھی ہاتھ ملانے کو تیار نہیں ہے۔ مزید برآں کمیونسٹوں اور زیرونوسکی کے درمیان پہلے ہی اختلافات شروع ہو گئے ہیں جس کا فائدہ آئندہ صدارتی انتخاب میں بورس یلتسن کو پہنچے گا۔

زیو گانوف — بورس یلتسن

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ روس معاشی و جمہوری اصلاحات کی پالیسی پر بعض معمولی تبدیلیوں کے ساتھ گامزن رہے گا۔ کیونکہ دستور کو بدلنے کے لئے دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہے جو کمیونسٹوں کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی حالیہ کامیابی کے پیش نظر سوشل سکیورٹی سے متعلق ان کی پالیسی کے بعض اجزاء کو شاید حکومت اختیار کر لے تاکہ آئندہ جون کے انتخاب میں وہ یہ کہہ سکیں کہ مغرب نوازی نے انہیں غریبوں کی طرف سے اندھا اور بہرا نہیں بنادیا ہے۔

روسی انتخابات کے نتائج نو آزاد شدہ اور مسلم بالٹک ریاستوں کے لئے خطرناک نہیں تو تشویشناک ضرور ہیں۔ کمیونسٹ اور نیشنلسٹ زیرونوسکی دونوں ہی قدیم و عظیم سوویت یونین کے از سر نو احیاء کی باتیں کرتے ہیں۔ دونوں توسیع پسندی کے حق میں ہیں اور اس ضمن میں ان کے خیالات خصوصاً مسلم ریاستوں کے لئے پریشان کن ہیں۔ اگرچہ توسیع پسند طاقتوں کے لئے چاہے وہ کمیونسٹ ہوں یا فاشسٹ، موجودہ عالمی صورت حال میں ان کے لئے آزاد روسی ریاستوں کو ہڑپنا مشکل ہوگا لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ ان کے لئے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔

ہر کیف بہت کچھ جون کے صدارتی انتخاب کے نتائج پر منحصر ہے اور صحیح صورت حال اس کے بعد ہی ابھر کر سامنے آئے گی۔ ایک بات بہر حال کہی جاسکتی ہے کہ سابق سوویت یونین اور سابق سوویت بلاک میں کمیونزم کا مرثیہ لکھنے والے غلط ثابت ہوئے ہیں کیونکہ پولینڈ سے لے کر روس تک اکثر مقامات پر شکست خوردہ کمیونسٹ دوبارہ ابھر رہے ہیں اگرچہ بدلے ہوئے حالات میں اب پہلے جیسا آہنی اور آمرانہ نظام قائم کرنا ان کے لئے مشکل ہے۔ اگر کمیونسٹ اقتدار میں آبھی جائیں تو بعض تبدیلیوں کے ساتھ انہیں کھلی مارکیٹ کی پالیسی ہی پر گامزن رہنا پڑے گا جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ مغرب سے تصادم کے بجائے تعاون کی راہ پر چلتے رہنے پر مجبور ہوں گے۔

چیچنیا کا دوسرا بڑا شہر بھی کھنڈر بن گیا

۱۴ دسمبر کو سینکڑوں چیچن مجاہدین نے اچانک گڈرمیز پر حملہ کیا اور وہاں موجود روسیوں کو قیدی بنالیا۔ شہر پر قبضے کا مقصد یہ جتانا تھا کہ روسی دعوؤں کے برعکس چیچنیا پر نہ تو ان کا قبضہ مضبوط ہے اور نہ ہی مجاہدین کی کمر ٹوٹی ہے۔ دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ چیچن حریت پسند روس کے ذریعے کرائے جانے والے ۱۷ دسمبر کے انتخاب کو کھوکھلا ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مجاہدین کی کوشش کے برعکس انتخاب کا ڈرامہ رچا گیا اور جیسا کہ اس قسم کے انتخابات میں ہوتا ہے روسی حمایت یافتہ لیڈر بھاری اکثریت سے جیت گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ فی الواقع بھاری اکثریت نے ووٹ دینے کے بجائے اس الیکشن ڈرامے کا بائیکاٹ کیا ہو۔

گڈرمیز پر چیچن مجاہدین کے قبضے کے بعد روسی فوج نے اس کا محاصرہ کرلیا اور تقریباً ایک ہفتے کی شدید جنگ کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔ اپنی کم تعداد اور ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے دراصل مجاہدین خود ہی شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ ہفتے بھر کی اس لڑائی میں پورا شہر کھنڈر بن گیا۔ شہر کی تین تہائی عمارتیں یا تو زمین بوس ہو گئی ہیں یا انہیں زبردست نقصان پہنچا ہے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ تین سو سے زائد عام شہری اس جنگ میں کام آگئے۔ خود روسی میڈیا اس المیے کے لئے روسی فوج کی دبے لفظوں میں تنقید کر رہا ہے۔ بعض دوسرے غیر جانبدار مبصرین کا کہنا ہے کہ روسی فوج نے اپنے بعض جوانوں کی موت کا بدلہ عام شہریوں کے قتل عام کے ذریعہ لیا ہے۔ روسی ریڈ کراس اور انٹرنیشنل ریڈ کراس اور دوسری خیراتی ایجنسیوں کے مطابق گڈرمیز میں جان و مال کی زبردست تباہی ہوئی ہے اور جو لوگ وہاں زندہ بچے ہیں، وہ انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے اور فوری امداد کی انہیں سخت ضرورت ہے۔ مگر روسی فوج ان ایجنسیوں کے ورکروں کو گڈرمیز میں داخل نہیں ہونے دے رہی ہے۔ روسی میڈیا برملا الزام لگا رہا ہے کہ فوج کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے غالباً ہلاک ہونے والے عام شہریوں کی صحیح تعداد جو سینکڑوں میں ہے اور جن میں سے اکثر مجاہدین کے شہر چھوڑ کر چلے جانے کے بعد روسیوں کی گولی کا نشانہ بنے۔

بلاشبہ بہت سے شہری شہر کا محاصرہ مکمل ہونے سے قبل گروزنی اور دوسرے مقامات پر چلے گئے تھے جن کی رضاکار ایجنسیوں نے مقدور بھر مدد بھی کی۔ لیکن پھر بھی ہزاروں لوگ اس جنگ میں گھر کر رہ گئے تھے جن میں سینکڑوں کام آگئے اور ہزاروں نے کسی طرح تہہ خانوں میں چھپ کر بھوکے پیاسے رہ کر جان بچائی۔ روسی فوج کے کمانڈر جنرل شُکر کو کا کہنا ہے کہ ۲۶۷ شہریوں کی لاشیں برآمد کی گئی ہیں لیکن غیر جانبدار مبصرین اور روسی میڈیا کا کہنا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ شہر کے میئر بھی مرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بتاتے ہیں۔ ایک روس کے حامی افسر مولا عثمائیف کا کہنا ہے کہ ایک ہزار افراد زخمی ہوئے ہیں اور ایک تہائی سے زائد شہر تباہ ہو گیا ہے۔ مگر دوسروں کا کہنا ہے کہ تباہی اس سے کہیں بڑے پیمانے پر ہوئی ہے۔

روسی ریڈ کراس کے مطابق روسیوں کے محاصرہ سے قبل دس ہزار سے زائد افراد بھاگ کر دوسرے شہروں میں پناہ لے چکے تھے۔ مگر پھر بھی ہزاروں وہاں موجود رہے۔ شہر کے سخت محاصرے اور وہاں کسی کو نہ جانے دینے کے روسی فیصلے نے خود روسیوں کو اس شبہے میں مبتلا کر دیا ہے کہ روسی فوج نے دانستہ شہریوں کا قتل عام کیا ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے بعض کامریڈوں کے مرنے کا بدلہ لینا تھا۔ ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے کہ کتنے مجاہدین اس جنگ میں شہید ہوئے۔ لیکن ایک روسی افسر نے اعتراف کیا کہ ۷۰ روسی فوجی آزادی پسندوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس جنگ سے کم از کم ایک بات واضح ہو گئی کہ چیچنیا پر روسی قبضہ برائے نام ہے اور امن کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ دوسری بات یہ کہ روسی کسی بھی قیمت پر، یہاں تک کہ بہیمانہ حربہ اختیار کر کے اور دوسرے غیر انسانی طریقوں سے بھی وہ چیچنیا کے آزادی پسندوں کو کچلنا چاہتے ہیں جس میں سردست وہ کامیاب نہیں ہیں۔

ہم نے مسلمانوں کو کافر سیاسی قیادت سے نکال کر

مسلم سیاسی قیادت کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی ہے

پٹنہ اجلاس کے لئے دعوت نامہ کا متن

برادران گرامی اور دختران ملت

ہندوستان اس وقت حیرت انگیز تبدیلیوں کی زد میں ہے ۔ سیاسی اتھل پتھل اور نئے نئے سیاسی نظریات کے عروج نے گذشتہ چند سالوں میں سیاسی دنیا کی کایا پلٹ دی ہے ۔ قومی سطح کی پارٹیاں سکڑتی جارہی ہیں اور خالص فرقہ وارانہ یا ذات پات کی سیاست نے ملک کی سیاسی شہ رگ پر اپنے پنجے سخت کرنے شروع کردئے ہیں ۔ کہیں نیچی ذات والوں کی حکومت ہے تو کہیں علاقائی پارٹیوں کا غلبہ ، کہیں فاشسٹ نظریات نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی ہے تو کہیں نسل پرست برہمن اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہے ۔ البتہ بے چارہ مسلمان کہیں کنارے کھڑا رہ گیا ہے ۔ اسے افسوس ہے کہ اس کے ہاتھ وعدوں کی ٹوکری اور تالیوں کی آواز کے علاوہ کچھ بھی نہ آیا ۔ ایسا بھی نہیں کہ گذشتہ نصف صدی میں وہ سیاسی جدوجہد سے دور رہا ہو ۔ اس نے ہر پارٹی میں قسمت آزمائی کی ، کبھی کانگریس کا حاشیہ بردار بنا تو کبھی اپوزیشن کی دوسری چھوٹی بڑی پارٹیوں پر اپنا سب کچھ نچھاور کردیا ۔ لیکن اس کی ہر کوشش نے کچھ دینے کے بجائے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا ۔ یہ ہے وہ سیاسی صورت حال جس سے آج ہر دردمند مسلمان پریشان ہے ۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں دین کا علم عام ہونے اور علمائے کرام کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ خدا کے آخری رسول کی امت کی سیاسی قیادت ظالموں کے حوالے کردی گئی ہو ۔ اور اس فاش غلطی کو مسلمانوں کی حمیت ایمانی نے برداشت کرلیا ہو ۔ کتنے جری ہیں وہ لوگ جو دین اور شریعت کا علم رکھنے کے باوجود مسلمانوں کو کسی کافر سیاسی قائد کا تابع بنانے کی کوششوں میں آج بھی سرگرداں ہیں ، کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ امت مسلمہ کا کام اس ملک کو روحانی اور سیاسی قیادت دینا ہے کہ ان کے پاس خدا کا آخری پیغام آج بھی موجود ہے اور اس پیغام کی موجودگی میں کسی شخص ، پارٹی یا سیاسی نظریے کی اتباع نہیں کرسکتے ۔

گذشتہ نصف صدی سے اس قسم کی سیاسی قیادت قبول کرلینے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بیس کروڑ کی امت مسلمہ اپنا امتیازی وصف کھوچکی ہے ۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ وہ اس ملک میں زندہ کیوں ہے ۔ اس کے لئے کرنے کا کام کیا ہے اور کیا نہیں ۔ یہ بات اب اس کے خیال میں کم ہی آتی ہے کہ اس پر اس ملک میں انصاف کے قیام کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے ۔ اور یہ کہ حالات خواہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں اللہ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی کے ذریعے اسے اس ملک کی قیادت کا کام اپنے ذمہ لے لینا چاہئے ۔ لیکن افسوس چند معمولی مراعات اور زندگی جینے کے جھوٹے وعدوں کے طفیل سرکار و دربار سے تعلق رکھنے والے علماء نے خدا کے آخری رسول کی امت کو مکروہ سیاسی جادوگروں کے پاس رہن رکھ دیا ہے ۔ اب عالم یہ ہے کہ اسلامی علامتیں یکے بعد دیگرے تباہ کی جارہی ہیں ۔ بابری مسجد کی تباہی کے بعد چرار شریف کا واقعہ پیش آیا لیکن کمزور و بے بس امت میں موثر احتجاج کا کس بل بھی نہیں ۔ طرہ یہ کہ یونیفارم سول کوڈ کی دھمکی ہے اور بعض ریاستوں نے اس کو عملاً نافذ کرنے کی دھمکی بھی دے دی ہے ۔ عام ہندوستانی مسلمان سخت شکست خوردگی اور بے بسی کے عالم میں پوچھتا ہے ہائے وہ کیا کرے ؟ ۔

اس ملک میں کسی بھی مسلم سیاسی تبدیلی کے لئے راستے بند کردئے گئے ہیں ۔ الیکشن کا نظام کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ مستقبل قریب تو کیا قیامت تک بھی موجودہ نظام الیکشن کے ذریعے کسی مسلم سیاسی قوت کے احیاء کا امکان مفقود ہے ۔ پچاس سال کی سیاسی غلامی کو قائم رکھنے کے لئے سارے قانونی حیلے موجود ہیں ۔ اب بھلا مسلمان کرے تو کیا کرے ؟ یہ حقیقت مسلمانوں کو کون بتائے کہ اسلام کی رو سے جو قانون انصاف کا احترام نہ کرے اس قانون کا احترام نہیں کیا جاسکتا ۔ ہمیں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا میں بڑے بڑے ظالموں نے قانون ہی کا سہارا لیا ہے اور بڑے بڑے مظالم قوانین ہی کے سہارے انجام پاتے ہیں ۔ خود اس ملک میں منو کا قانون اس قبیل کی بہترین مثال ہے ۔ فرعون کا بنی اسرائیل کے نونہالوں کا قتل اور عرب کے جاہلی معاشرے میں معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بھی وقت کے معاشرے میں قانون کا درجہ رکھتی تھی لہذا کسی چیز کو محض قانون بن جانے سے اسے احترام حاصل نہیں ہوسکتا ۔

نئے طرز فکر کی ضرورت:

ہم نے بہت غور کیا کہ موجودہ ہندوستان میں ہندوستانی مسلمانوں کو ایک سیاسی قوت میں تبدیل کرنے کے لئے اس نظام کے اندر موجود سہولتوں کا سہارا لیا جائے ۔ لیکن ہم گہرے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس ملک کے سیاسی نظام میں جب تک بعض موثر تبدیلیاں نہ کی جائیں مسلمانوں کو سیاسی انصاف ملنے کا تصور عبث ہے ۔ ہم اس رویے کو بھی شکست خوردہ رویے کی پیداوار گردانتے ہیں جو بیس کروڑ کی زبردست عددی قوت کو کبھی ایک مفاد پرست سیاسی پارٹی تو کبھی دوسری مفاد پرست سیاسی پارٹی کی جھولی میں ڈالنے کو سیاسی حکمت عملی کا نام دیتا ہے ۔ ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ اس ملک کی کسی بھی سیاسی پارٹی کو مسلمانوں کے مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔ پچاس سال تک برہمن کانگریس کے ضمیمہ بنے رہنے کے بعد اب اگر مسلمان دلتوں اور پچھڑی ذاتوں کے ذریعہ استعمال ہونے لگیں تو اس سے سیاسی غلامی کا اندھیرا کم نہیں ہوتا ۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنی اصل قوت کا صحیح اندازہ کریں ۔ آخر آپ اس حقیقت سے بے خبر کیوں ہیں کہ نئی دہلی میں کوئی بھی حکومت آپ کے فیصلے کے بغیر نہیں بن سکتی ۔ یہ حکمراں خواہ دہلی کی کرسی پر براجمان ہوں یا ریاستیں ان کی تحویل میں آگئی ہوں دراصل یہ ہمارے معصوم سادہ لوح ووٹوں کا ہی نتیجہ ہے کہ جب آپ نے کانگریس کو من حیث القوم اپنا تعاون دینے سے انکار کردیا تو ساری سیاسی تکڑم بازی کے باوجود اس کا سورج اس صوبے میں غروب ہوگیا ۔ اب ضرورت ہے کہ ہم سیاسی شعور کے اصل مرحلے پر توجہ کریں ، ایک قدم اور بڑھائیں اور حکمرانی کا کام کسی اور کے سپرد کرنے کے بجائے اس پر بذات خود قبضہ کرلیں ۔ یقیناً یہ مشکل کام ہے لیکن ناممکن نہیں ۔ اسی عمل میں آپ کا مستقبل محفوظ ہے ۔ اور خود اس ملک کا بھی ۔

ملی پارلیامنٹ امت مسلمہ کو مشرکین کی سیاسی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے اٹھی ہے ، وہ یہ چاہتی ہے کہ مسلمان اپنی صحیح قوت کا اندازہ کریں اور جن لوگوں نے مصنوعی طور پر مسلمانوں کو اقلیت باور کرانے کی کوشش کی ہے ان کی سازشوں سے ہر لمحہ باخبر رہیں ۔ آپ کو یہ جان کر کے خوشی ہوگی کہ ملی پارلیامنٹ کی سیاسی امور کی کمیٹی نے بڑے پیمانے پر مشوروں کی روشنی میں سیاسی بل کا ایک مسوّدہ تیار کرلیا ہے جسے اب بحث کے لئے عنقریب ملی پارلیامنٹ کے پٹنہ اجلاس میں پیش کیا جانے والا ہے ۔ مذکورہ بل دراصل اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ اس ملک میں امت کو ابھی اس کا سیاسی حق ملنا باقی ہے ۔ ذرا غور کیجئے ! اٹھاسی کروڑ آبادی والے اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق کوئی بیس کروڑ ہے ۔ اب اگر متناسب نمائندگی کا فارمولا بھی اختیار کیا جائے تو ۵۴۳ نشستوں کی پارلیامنٹ میں مسلمانوں کو ۱۱۹ نشستیں ملنی چاہئے تھیں ۔ جبکہ اب تک پارلیامنٹ کے اندر مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۴۸ رہی ہے ۔ یہ بھی ایک استثنائی تعداد ہے جو ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں دیکھنے کو ملی ۔ اب بھلا جس امت کو مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹنے کے بعد بھی اس کی تعداد کے مطابق نمائندگی نہ مل سکے تو اس کے سیاسی حقوق کی بات کیسے سوچی جاسکتی ہے ۔ جو نظام نیچے سے اوپر تک دجل و فریب پر قائم ہو ، جہاں دانستہ طور پر مسلمانوں کی عددی قوت کو کم کرکے دکھایا جاتا ہو ، جہاں سیاسی حلقوں کی تقسیم اس طرح کی جاتی ہو کہ مسلم ووٹ بے اثر ہوجائیں ، جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلام بنائے جانے کی ہر ڈھکی چھپی ترکیب پر نہایت عیاری سے عمل ہورہا ہو ، بھلا اس نظام میں مسلمانوں کا کوئی سیاسی مستقبل کیوں کر ہوسکتا ہے ؟ ۔

پٹنہ اجلاس میں سیاسی بل کی پیشی کی وجہ سے اس کی اہمیت تاریخی اور اسٹریٹجک ہوگئی ہے ۔ اللہ کی نصرت کے سہارے ہم نے ایک انقلابی فکر کو عام کرنے اور مسلمانوں کو کافر سیاسی قیادت سے نکال کر مسلم سیاسی قیادت کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ بذات خود اتنا بڑا انقلابی قدم ہے کہ اس سے آنے والے دنوں میں سیاسی غلامی کی زنجیریں کٹ سکتی ہیں ۔ اس اجلاس کی کامیابی کے لئے اور مسلمانوں میں اس شعور کو عام کرنے کے لئے آپ سے جو کچھ بن پڑے ضرور کیجئے ۔ آپ کا مال اور آپ کی جان اللہ کی امانت ہے ۔ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ و تفوق کے لئے جو کوشش بھی کی جائے اس میں آپ کی حتی الامکان شرکت اور انتہائی درجے کا تعاون لازمی ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی بے دلی اور سست روی اس انقلابی مشن کی ناکامی کا سبب بن جائے ۔ کہ اگر ایسا ہوا تو ایک طویل مدت تک اس کام کو اس ملک میں انجام دینے کا کسی میں حوصلہ نہ ہوگا ۔

یاد رکھئے : آپ تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر اس سرزمین پر موجود ہیں ۔ تاریخ ایک نیا رخ لینے والی ہے اور امت کے بعض متوالوں اور فدائین اسلام کے ایک قابل ذکر گروہ نے اس ملک میں اسلام کے روشن مستقبل کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کا تہیہ کرلیا ہے ۔ وہ اس راہ میں کچھ دور چل بھی چکے ہیں ۔ ملی پارلیامنٹ کی انقلابی دعوت اور اس ملک کو الٰہی ہدایت میں رنگنے کا عزم اب ہم میں سے بہتوں پر منکشف ہوچکا ہے ۔ تاریخ کے اس نازک لمحے میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس انقلابی مشن کو اپنے خون کا آخری قطرہ تک مہیا کرے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے غلبہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کی توفیق عطا کرے اور اس عمل کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے ۔

اپنے علاقے میں دردمند مسلمانوں کے جلسے منعقد کیجئے اور پٹنہ اجلاس کے لئے ان خطوط پر سفارشات ترتیب دیجئے ۔ ہر قریے اور ہر علاقے سے حوصلہ مند مسلم بھائی بہنوں کے قافلے ترتیب دیجئے ۔ جو اس اجلاس میں شرکت کرسکیں ۔ اپنی آمد کی پیشگی اطلاع سے مرکزی اور صوبائی دفتر کو بیک وقت مطلع کیجئے ۔ پٹنہ میں متعینہ تاریخوں میں آپ کی تشریف آوری کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں ۔

آپ کا بھائی
راشد شاذ

ملی پارلیامنٹ کے گذشتہ اجلاس کا ایک منظر

حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں دین کا علم عام ہونے اور علمائے کرام کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ خدا کے آخری رسول کی امت کی سیاسی قیادت ظالموں کے حوالے کردی گئی ۔ اور اس فاش غلطی کو مسلمانوں کی حمیت ایمانی نے برداشت کرلیا ہو

موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں

پارلیامنٹ کے مسلم ممبران اپنی سیاسی پارٹیوں کے

پٹنہ اجلاس میں پیش کیے جانے والے مس

ملی پارلیامنٹ کے پٹنہ اجلاس میں ایک سیاسی بل پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی رویے کی بنیاد پڑے گی اور توقع ہے کہ پچاس سالہ سیاسی غلامی سے نجات کی راہیں وا ہوں گی۔ یہاں اس سیاسی بل کا ابتدائی حصہ پیش کیا جارہا ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کوئی بیس کروڑ ہے جو مجموعی آبادی کا تقریبا بائیس اعشاریہ دو فیصد (۲۲۰۲) ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب تاریخی مذاق ہے کہ اتنی بڑی عددی قوت کو ایک بے بس اقلیت میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ جس کا ملک کے معاملات میں عملی طور پر عمل دخل صفر کے برابر ہے۔ سیاسی طور پر اگر ان کی کوئی اہمیت ہے تو صرف اتنی کہ الیکشن کے وقت وعدوں کے سبز باغ دکھا کر مختلف سیاسی پارٹیاں ان کا استحصال کرتی رہیں۔ گزشتہ پچاس سالوں سے بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو محض ایک ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ کبھی ڈرا دھمکا کر، کبھی فسادات کا ہوا کھڑا کرکے، کبھی جان و مال کے اتلاف کا عملی ڈرامہ رچاکر اور کبھی وعدوں کے سبز باغ دکھا کر سیاسی پارٹیوں نے اس امت کو اپنا دست نگر بنا رکھا ہے۔ باور یہ کرایا گیا کہ اس ملک میں تم اقلیت میں ہو۔ تم نے پاکستان بنا کر اپنا حصہ پالیا ہے۔ اب بھلا تمہارا اس ملک میں کیا رول ہوسکتا ہے۔ بس یہی کہ خاموشی سے جئے جاؤ اور اس طرح جیو جس طرح ہم جینے دیں۔ حالانکہ اعداد و شمار کی عملی قوت اس کے برعکس ہے۔ اگر مسلمان اس ملک میں صرف بائیس فیصد ہیں تو دوسری قومیں بھی اکثریت کا دعوی نہیں کرسکتیں۔ اب جو لوگ اس ملک پر گزشتہ پچاس سالوں سے حکومت کرتے رہے ہیں ان کی عددی قوت کا بھی اندازہ لگائیے۔ برہمن مجموعی آبادی کے سات فیصد سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح اونچی ذات کی دوسری برادریوں کی علیحدہ رائے شماری انہیں قلیل اقلیت میں تبدیل کئے دیتی ہے۔ رہی نیچی ذات کی قومیں تو یہ بھی اپنی اپنی بنیادوں پر غیر مشروط اکثریت ثابت کرنے میں ناکام ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو آج بھی دوسری تمام قوموں کے مقابلے میں مسلمان ایک عظیم الشان عددی قوت ہیں پھر بھلا انہیں اقلیت کے خوف میں مبتلا کئے دینے کے پیچھے اس کے علاوہ اور کیا عوامل ہوسکتے ہیں کہ ان کے عزائم کا کس بل نکال دیا جائے اور اس طرح ایک عظیم الشان نظریاتی گروہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملک کے معاملات سے بے دخل کرکے ایک بے بس

زندگی جینے پر مجبور کردیا جائے۔

گزشتہ پچاس سالوں کے سیاسی تجربے کے بعد آج ہندوستانی مسلمانوں پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوچکی ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں ان کے جائز سیاسی حقوق کا تحفظ ممکن نہیں۔ فی زمانہ جب ہر سیاسی پارٹی کا مکروہ مسلم دشمن چہرہ کھل کر سامنے آچکا ہے، جب ہر مشرک سیاسی قیادت کے ہاتھ مسلم خون سے رنگین ہیں، جب بلا استثنی ہر سیاسی پارٹی کا منافقانہ رویہ پوری طرح بے نقاب ہوچکا ہے، جمہور امت کا یہ احساس ہے کہ کوئی بھی قومی سیاسی پارٹی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مخلص نہیں ہے

اس سنگین صورت حال میں یہ احساس شدت سے سر اٹھانے لگا ہے کہ سیاست کی موجودہ اندھیری گلی سے نکلنے کی کوئی راہ دریافت کی جائے۔

یہ احساس بھی عام ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کے واقعی نمائندوں کے لئے پارلیامنٹ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ رہے سیاسی پارٹیوں کے ذریعہ نامزد کردہ مسلمان تو ان کی حیثیت ہمیشہ اکثریتی فرقے کے نامزد کردہ زرخرید غلام کی ہوتی ہے جو اپنا اولین فریضہ اپنے سیاسی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کو قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثریت کے ذریعہ نامزد کردہ لوگ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا نہیں کرسکتے۔ یہ اپنے مسلم نام کے باوجود دراصل اکثریتی فرقے کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس بات کی شدید ضرورت

ہے کہ ہندوستانی سیاست میں واقعی مسلم نمائندگی کے دروازے کھولے جائیں اور مسلمانوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے حقیقی نمائندے ہندوستانی پارلیامنٹ اور مختلف ریاستی اسمبلیوں میں بھیج سکیں اور یہ جبھی ممکن ہے جب مخلوط طریقہ انتخاب کو ختم کرکے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر جداگانہ انتخاب کا طریقہ عمل میں لایا جائے۔ جہاں ہر مذہبی، ثقافتی اور نظریاتی گروہ کو اپنی آرزوؤں کے مطابق اس ملک کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ ادا کرنے کا موقع مل سکے۔

سیاسی انصاف کے قیام کے لئے متناسب نمائندگی کو تسلیم کرلینا پہلا مرحلہ ہوگا۔ جو لوگ قوموں کی تاریخ سے واقف ہیں اور جو حالات کے جبر اور تاریخ کی قوتوں کا ادراک رکھتے ہیں انہیں یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ کوئی بھی قوم زیادہ

دنوں تک جبر اور ظلم کے سہارے مجبور اور بے بس بنا کر نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اگر انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے پرامن تبدیلی کے راستے نہیں کھولے جاتے تو یہ تبدیلی تشدد اور توڑ پھوڑ کے راستے سے آتی ہے۔ تاریخ کا یہ ایسا جبر ہے جسے دنیا کی کوئی قوت ٹال نہیں سکتی۔ وطن عزیز کو کسی خانہ جنگی سے بچانے اور ایک پرامن مستقبل میں داخل کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم انصاف کے بنیادی اصولوں کا پاس رکھتے ہوئے پرامن تبدیلی کے لئے جلد از جلد راستے ہموار کریں۔

گزشتہ دس برسوں میں فسطائیت نے جس تیزی سے سر ابھارا ہے اور ہندو احیاء پرستی قدیم ہندو ثقافت کے فروغ کے لئے جس طرح کوشاں رہی ہے اس سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے

کہ اس ملک / خالص سیکو / پسندانہ خیال / شدت کے / اور تمام مسلم / کردینے کے / تقویت ملتی / احیاء پرستی / فیصلہ کن ج / مطلب یہ ہے / کن خانہ جنگی / احیاء پرستی ا / طوفان کی طرف / میں مختلف ت / لی ضمانت د

ہمارے مسائل کی جڑیں ہماری سیاسی

پٹنہ اجلاس میں پڑھے جانے والے مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی محمد لانبی بعدہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ۔ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ و عدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم و ما تنفقوا من شی فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لاتظلمون

(پارہ۱۰ سورۃ الانفال۔ آیت ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت ــ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹا یا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا آیت میں حکم الہی مستقل حکم (StandingOrder) کے طور پر یہ دیا گیا ہے کہ حسب استطاعت و ضرورت قوت و طاقت مہیا کرو۔ اور پھر لفظ قوۃ کے بعد عطف کا

ملی پارلیامنٹ کے گذشتہ اجلاس کا ایک منظر

واو جس کے معنی "اور" (AND) کے ہیں وضاحت اور مثال کے طور پر لاکر اس قوت کی تشریح کی گئی ہے کہ مثال کے طور پر تیار گھوڑے۔ یعنی اصل حکم استطاعت کے مطابق قوت و طاقت کا حاصل کرنا ہے جو ایک دائمی اور مستقل بالذات حکم ہے۔

آیئے دیکھیں کہ آج بہت سی قوتوں میں سے اہم قوتیں ہمارے سامنے کون سی ہیں:

(۱) جسم کی قوت (۲) افراد کی قوت (۳) علم کی قوت (۴) اخلاق و کردار کی قوت (۵) دولت کی قوت (۶) ہتھیار کی قوت (۷) سیاسی یا ووٹ کی قوت

اس جمہوری ملک میں ووٹ (Ballet) ایک ایسی طاقت ہے جس کا ہوش مندانہ استعمال ہماری سیاسی بے وزنی کو دور کرسکتا ہے، جمہوری دور کی یہ قوت زبردست سیاسی طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جس کا موقع ہمارے لئے ملک کے کونے کونے میں موجود ہے۔

غور کیا جائے تو اس ملک میں ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہماری سیاسی بے وزنی ہے اور ہم اپنے ووٹ کا صحیح شعور اور منصوبہ بندی کے ساتھ استعمال کرکے اپنی سیاسی بے وزنی کو سیاسی وزن میں بدل سکتے ہیں۔ بی جے پی جیسی پارٹی کے وقتی اور ظاہری جھکاؤ اور مسلمانوں کی خوشامد والے انداز سے بھی ووٹ کی قوت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اکابر کے احترام کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ملک کی سیاسی جماعتوں میں انفرادی طور پر شامل ہونے کا فیصلہ صحیح نہیں تھا۔ مسلمان سیاسی جماعتوں میں شامل ہوئے مگر اجتماعی حیثیت سے نہیں بلکہ انفرادی طور پر۔ انفرادی طور پر شامل ہونے سے وہ سیاسی جماعتوں کے سمندر میں قطرہ بن کر گم ہوگئے۔ اور ان جماعتوں پر اثرانداز نہ ہوسکے۔ ہمارے ذہین باصلاحیت اور فعال افراد نے دوسری سیاسی جماعتوں کو چمکایا اور ان جماعتوں کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن مسلم

ملت کے بنیا / مسلمان اس / اب تک / آج کی سی / جس کا ذریعہ / مسلمانوں / مسئلے جنم لیتے / ہے۔ / اب سوال

پارلیمنٹ / کی جماعت / نکالنی ہوگی

میں کیسے بدلا / سیاسی / کچھ بنیادی طر / (۱) ار / سیاسی جماعت

...وں کے جائز حقوق کا تحفظ ناممکن ہے

...ی کے نمائندے ہیں مسلمانوں کے نہیں

...لے مسلم سیاسی بل کا ابتدائی حصہ

کہ اس ملک میں مستقبل بعید میں بھی ایک خالص سیکولر معاشرے کا قیام غیر حقیقت پسندانہ خیال ہے۔ پھر ہندو احیاء پرستی جس شدت کے ساتھ مسلم ثقافت سے برسرپیکار ہے اور تمام مسلم ثقافتی اور مذہبی علامتوں کو یکسر ختم کردینے کے درپے ہے اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آنے والے دنوں میں ہندو احیاء پرستی مسلم ثقافتی طریقہ اظہار سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آنے والے دنوں میں ایک تباہ کن خانہ جنگی اس ملک کے مقدر میں ہے۔ ہندو احیاء پرستی اس ملک کو مسلسل ایک خون آشام طوفان کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ ایسی صورت میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کو پرامن زندگی لی ضمانت دینے کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسے ہندوستان کا خاکہ ترتیب دیا جائے جس میں آزادانہ اور منصفانہ طور پر تمام مذہبی گروہ کو پرامن زندگی کی ضمانت ملتی ہو۔ اور ایسا جبھی ممکن ہے جب عظیم جمہوری ہندوستان کو مختلف ثقافت کے وفاقی گہوارے میں تبدیل کردیا جائے۔ اس طرح ایک سو بائیس چھوٹے چھوٹے تہذیبی وفاق کا ہندوستان امن و آشتی کی ایسی نظیر قائم کرے گا جس میں تمام مذہبی اور ثقافتی گروہ مشترکہ احساس کے تحت ملک کی ترقی کے لئے کام کرسکیں گے گو کہ یہ تمام وفاقی ریاستیں اپنے اپنے معاملات میں کلی طور پر آزاد ہوں گی البتہ دفاع اور خارجہ پالیسی کے امور مرکز کے زیر نگراں ہوں گے۔

سابقہ تلخ سیاسی تجربات اور حالات کے جبر کے تحت آج کے ہندوستانی مسلمان اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کو خانہ جنگی اور ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے متناسب نمائندگی اور ثقافتی وفاق کی تجویز پیش کرکے اس ملک کے نئے معماروں کی صف اول میں اپنے آپ کو شامل کرنے کا فخر حاصل کرسکیں۔

نئی سیاسی تجاویز کے محرکات:—

اگر حکومت کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو ہی صحیح تسلیم کرلیا جائے جب بھی اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی بارہ فیصد سے کم نہیں ہے جس کے مطابق لوک سبھا کی ۵۴۵ نشستوں میں ان کا حصہ ۶۲ نشستیں قرار پاتی ہیں جب کہ اب تک مسلمان کہلائے جانے والے پارلیمانی اراکین کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۸ تک پہنچی ہے یعنی ۸٫۸ فیصد۔ یہ بھی ایک استثنائی تعداد ہے جو صرف ۱۹۷۹ء میں دیکھنے کو ملی۔ گویا خود حکومت کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی تعداد سے بہت کم نمائندگی ملی ہے۔ بلکہ بعض جگہوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری کی پوری ریاستی اسمبلی مسلمانوں کے وجود سے محروم رہی ہے۔ مدھیہ پردیش کی موجودہ اسمبلی اس قبیل کی بہترین مثال ہے۔ اب اگر یہ حقیقت ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں سیاسی پارٹیوں کے پسندیدہ مسلمان بھی مسلم تناسب کے اعتبار سے نشستیں حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں تو بھلا اس نظام کو مزید جاری رہنے کے لئے کیا اخلاقی جواز ہے۔ سیاسی انصاف کا قیام دستور کی تمہید میں کیا گیا ایک وعدہ ہے۔ پھر ایک ایسے نظام سے جو سیاسی انصاف کی کھلی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو ایک ایسے غیر دستوری عمل کو جاری رکھنے کے لئے کوئی موثر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ لہٰذا ایک نئے سیاسی متبادل کی تلاش کا کام وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حقیقی مسلم نمائندوں کی ضرورت:—

مابعد انہدام ہندوستان میں یہ احساس بھی عام ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے نامزد کردہ مسلم اراکین پارلیامنٹ یا مسلم وزراء مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کا دعوی نہیں کرسکتے۔ یہ دراصل اپنی پارٹیوں کے نمائندہ ہوتے ہیں جن کا بنیادی کام متعلقہ پارٹیوں کے مفاد کی حفاظت کرنی ہوتی ہے اور ان سے ایک سیکولر جمہوری ڈھانچے میں یہی توقع بھی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مرکز میں مسلم وزراء کی موجودگی کے باوجود دن کی روشنی میں غیر قانونی اور غیر آئینی طور پر بابری مسجد منہدم کی جاتی رہی اور پارٹی کے مفاد کو اولیت دینے والے مسلم وزراء انتہائی خاموشی یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ اب اگر مسلم وزراء کی موجودگی اور پارلیامنٹ میں مسلم اراکین کی چلت پھرت کے باوجود مسلمانوں کی مذہبی علامات محفوظ نہ رہ پائیں تو پھر ایسی مسلم نمائندگی کا حاصل ہی کیا۔ ان واقعات نے دراصل یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ مسلم نمائندگی درحقیقت اکثریتی فرقے کی نامزد کردہ نمائندگی ہے جسے مسلمانوں سے کہیں زیادہ اکثریتی فرقے کے عزائم کی پاسداری مقصود ہے۔ حقیقی مسلم نمائندگی جداگانہ طریقہ انتخاب کے بغیر ممکن نہیں۔

جغرافیائی حقائق:—

تقریبا پچاسی فیصد ہندوستانی مسلمان جو ملک کے نو صوبوں میں آباد ہیں۔ وہ ہیں یوپی، مغربی بنگال، بہار، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، کیرالہ، آسام اور جموں و کشمیر۔ ان صوبوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمانوں کی آبادی کچھ اس طرح ہے:

نام ریاست	ریاست میں مسلم آبادی کا تناسب	ملک کی مجموعی آبادی کا تناسب
اترپردیش	۱۵٫۵	۲۲٫۲
مغربی بنگال	۲۱٫۵	۱۳٫۷
بہار	۱۳٫۱	۱۲٫۵
مہاراشٹر	۹٫۳	۷٫۳
کیرالہ	۲۱٫۳	۶٫۸
آندھرا پردیش	۸٫۵	۵٫۷
آسام	۲۶	۵٫۶
کرناٹک	۱۱٫۱	۵٫۱
جموں و کشمیر	۶۴٫۲	۴٫۸
دیگر بشمول لکشدیپ		۱۵٫۸۳
		۱۰۰۔

گویا جغرافیائی طور پر منتشر ہونے کے باوجود ملک کی نو ریاستوں میں مسلم آبادی کا ارتکاز کچھ اس طرح ہے کہ نئے ہندوستان کے بین الملی ثقافتی وفاق میں واضح طور پر مختلف علاقوں میں مسلم ثقافتی وفاق کے لئے گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔ رہی جداگانہ طریقہ انتخاب کو رائج کرنے کی بات تو سیاسی انصاف کے اس پہلے مرحلے میں

باقی صـ۱۵ پر

...اسی بے وزنی میں پیوست ہیں

...عثمانی کے کلیدی خطبہ کے اہم اقتباسات

ملت کے بنیادی مسئلے اس سے حل نہ ہوسکے اور مسلمان اس ملک کی سیاسی قوت نہ بن سکے۔

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ:

آج کی سب سے موثر قوت سیاسی قوت ہے جس کا ذریعہ ووٹ ہے۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ جس سے دیگر مسئلے جنم لیتے ہیں۔ اس ملک میں سیاسی بے وزنی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ سیاسی بے وزنی کو باوزنی میں کیسے بدلا جائے۔؟

سیاسی بے وزنی کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کچھ بنیادی طریقے اپنانے ہوں گے:

(۱) اس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ایک سیاسی جماعت ہو جس کا دائرہ پورا ملک ہو۔

(۲) اس جماعت کے مرکزی دفتر میں مسلمانوں کے تعلق سے ہر قسم کی معلومات کمپیوٹر میں جمع کردی جائیں تاکہ بوقت ضرورت ہمارے سامنے پوری معلومات آجائیں۔

(۳) پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں وہی شخص مسلمانوں کا نمائندہ سمجھا جائے جو مسلمانوں کی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہو۔

(۴) ہمیں مسلمانوں کے ذہن سے یہ بات نکالنی ہوگی کہ وہ مسلمان جو کسی دوسری پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہا ہے ہمارے ووٹ کا اس لئے مستحق ہوسکتا ہے کہ وہ ہے تو مسلمان ہی

(۵) ہمیں گھر گھر جاکر مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اتارنی ہوگی کہ جو مسلمان تمہاری پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن نہیں لڑ رہا ہے وہ کامیاب ہو کر تمہاری طاقت نہیں بنے گا بلکہ وہ اس پارٹی کی طاقت بنے گا اور ان مقاصد میں معاون بنے گا جو اس پارٹی کے مقاصد ہیں۔

اگر محتاط اندازے کے مطابق اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی بیس کروڑ تسلیم کرلی جائے تو لوک سبھا کی ۵۴۵ سیٹوں میں مسلم سیٹیں 119 ہونی چاہئیں۔ لیکن لوک سبھا میں مسلمان ممبروں کی تعداد ۲۴ سے ۴۸ تک رہی ہے۔ اور یہ مسلمان مسلمانوں کے نمائندے نہیں بلکہ اس پارٹی کے نمائندے تھے جن کے ٹکٹ پر وہ کامیاب ہو کر ایوان میں پہنچے تھے۔

ایک صورت یہ ہے کہ آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے ان کے نمائندوں کی تعداد مقرر کردی جائے جس کو ریزرویشن آف سیٹس کہا جاتا ہے، کیا وجہ ہے کہ مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دار نہ بنیں، متناسب نمائندگی کا اصول ہمارے دستور اساسی میں کئی جگہ اپنایا گیا ہے اور آبادی کے اعتبار

باقی صـ پر

پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں وہی شخص مسلمانوں کا نمائندہ سمجھا جائے جو مسلمانوں کی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہو۔ ہمیں مسلمانوں کے ذہن سے یہ بات نکالنی ہوگی کہ وہ مسلمان جو کسی دوسری پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہا ہے ہمارے ووٹ کا اس لئے مستحق ہے کہ وہ ہے تو مسلمان ہی۔

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹر نیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 ۔۔ 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

ملی پارلیامنٹ پر قومی اخبارات اور نام نہاد سیکولرسٹوں کا جارحانہ حملہ

ملی پارلیامنٹ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا ایک سرسری جائزہ

ملی پارلیامنٹ نے جب بھی ہندوستانی مسلمانوں کو سیاسی شعور بخشنے اور دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلم بھائیوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف صف آرا ہو جانے کے لئے آواز بلند کی تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس نے بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہو، جیسے ہندوستان میں ملک گیر سطح پر زلزلہ آگیا ہو، جیسے نام نہاد سیکولر عناصر اور کھلے ہوئے فرقہ پرستوں میں بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی ہو، جیسے ہمارے قومی میڈیا پر جنون طاری ہو گیا ہو اور جیسے کوئی نئی اور انہونی بات کہہ دی گئی ہو، کوئی چونکا دینے والا پیغام نشر کر دیا گیا ہو۔

جی ہاں! معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ ہمارے قومی اخبارات و رسائل کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔ ملی پارلیامنٹ نے جب بھی کوئی آواز بلند کی تو ہمارے قومی میڈیا میں زلزلہ آگیا، نام نہاد دانشوروں اور صحافیوں کا قلم جوش مارنے لگا، اخبارات میں ملی پارلیامنٹ کے خلاف مضامین شائع ہونے لگے، رپورٹیں قلمبند کی جانے لگیں، مراسلے لکھے جانے لگے اور ملی پارلیامنٹ کو آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد کا ہم پلہ قرار دینے کی جی توڑ کوشش کی جانے لگی۔ وہ اپنا زور بیان اسی پر صرف کرنے لگے کہ ملی پارلیامنٹ فرقہ پرستی کو ہوا دے رہی ہے؟ مسلم دشمن طاقتوں کو تقویت پہنچا رہی ہے، ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں بلائے ناگہانی کو دعوت دے رہی ہے، مسلمانوں کو اور ملک کو بھی تباہی و بربادی کی جانب لے جانے کی کوشش کر رہی ہے اور وہ ہندوستان کی ایک نئی تقسیم کی بنیاد فراہم کر رہی ہے۔

قومی میڈیا نے ملی پارلیامنٹ کے قیام سے لے کر اب تک اس کے قافلہ کو روکنے کی نہ جانے کتنی کوششیں کی ہیں اور وہ اب بھی اس میں مصروف ہے۔ کچھ اخبارات ملی پارلیامنٹ کے پاکیزہ اور مقدس مشن کو سیاسی عزائم کے ترازو پر تول رہے ہیں تو کچھ لوگ قائد ملی پارلیامنٹ پر ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی لیڈر بن کر اپنے مقاصد کی تکمیل کی خواہش کا الزام عائد کر رہے ہیں۔

پٹنہ اجلاس سے متعلق ملی پارلیامنٹ کی جانب سے مندوبین کو بھیجے جانے والے دعوت نامہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انگریزی روزنامہ "دی ہندو" لکھتا ہے کہ "قائد ملی پارلیامنٹ کے نظریات و خیالات وہی ہیں جن کی بنیاد پر سنگھ پریوار مسلمانوں کو مطعون کرتا رہتا ہے۔ اور ان ہی خیالات و نظریات کو پٹنہ اجلاس میں "بل" کی شکل میں پیش کیا جانا ہے۔" اخبار کے مطابق "اس سیاسی بل کے عناصر ترکیبی میں دو خطرناک چیزیں ہیں۔ ایک علیحدہ الیکٹوریٹ کی بنیاد پر مسلمانوں کی متناسب نمائندگی اور دوسرے ہندوستان کو ثقافتی فیڈریشن میں تبدیل کرنے کی اسکیم۔ بہ الفاظ دیگر ماضی میں ایسے ہی نظریات و خیالات پر مبنی مطالبے کی قیمت ہندوستان بالخصوص مسلمان آج بھی ادا کر رہا ہے۔"

تجزیہ نگار نے قائد ملی پارلیامنٹ کی اس دلیل کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ مشورہ دیا جاتا رہا کہ وہ اپنی آواز بلند نہ کریں کیونکہ اس پر ہندوؤں کی جانب سے رد عمل ہوگا اور اس کا نتیجہ ہے کہ آج پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی آواز اٹھانے والا کوئی نہیں ہے اور مدھیہ پردیش اسمبلی میں ایک بھی مسلم رکن اسمبلی نہیں ہے۔ جو مسلم ممبران آواز اٹھاتے بھی ہیں وہ تب تک کچھ نہیں بول پاتے جب تک کہ ان کی جماعتوں کے لیڈران اس کی اجازت نہ دے دیں۔ اخبار ملی پارلیمنٹ کو ایک خطرناک اور تباہ کن تنظیم قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس تنظیم کی جانب سے جو مواد تقسیم کیا جارہا ہے اگر وہ غلط ہاتھوں میں پڑ جائے تو لوگ اس کا استحصال کر کے ملک میں فرقہ پرستی کو فروغ دینے کا کام کریں گے۔ گویا اخبار کے خیال میں ملی پارلیامنٹ کا مواد ہندوستان میں فرقہ پرستی پھیلانے کا سبب بن سکتا ہے۔

اسی طرح دوسرے انگریزی ہندی اور اردو کے اخبارات مثلاً ایشین ایج، پائنیر، انڈین ایکسپریس، ہندوستان ٹائمز، جن ستا، راشٹریہ سہارا، ٹیلی گراف وغیرہ نے بھی ملی پارلیامنٹ کے اس مقدس مشن کو ہدف تنقید بنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ایشین ایج نے ملی پارلیامنٹ پر حملہ کرتے ہوئے اس پر ایک Radical تنظیم ہونے کا بہتان لگایا ہے اور قائد ملی پارلیامنٹ کو ایک خود ساختہ لیڈر قرار دینے پر اپنا سارا زور صرف کیا ہے۔ اکانومک ٹائمز نے ملی پارلیامنٹ پر الزام لگایا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان اسی طرح ہنگامہ برپا کر رہی ہے جس طرح جنگ خلیج کے دوران عراق جانے کے بارے میں لوگوں کو اکسا کر ہنگامہ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی ایک دوسری رپورٹ میں پٹنہ اجلاس کے موقع پر ارسال کئے گئے دعوت نامہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اور جی بھر کر بھڑاس نکالی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کو مشرکانہ سیاسی غلامی سے نجات دلانے کی آواز سے ان پر اس قدر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی ہے کہ وہ اپنی پوری قوت اس آواز کو دبانے میں صرف کر رہے ہیں۔

Milli drafts Indian Mus...

मुसलिमों की मदद के लिए मिल्ली संसद का दल बोसनिया

Muslim groups beckon locals to Bosnia

انگریزی اور ہندی کے اخبارات نے جو معاندانہ رویہ اپنایا ہے وہ حیرت انگیز نہیں ہے، حیرت انگیز تو اردو کے اخبارات کا رویہ ہے، بالخصوص دہلی سے شائع ہونے والا قومی آواز تو انگریزی اور ہندی کے اخبارات سے دو قدم آگے نکل گیا ہے۔ اس کے مدیر نے جو کہ ایک کشمیری برہمن ہے، اداریہ تحریر کر کے ملی پارلیامنٹ کے مقدس عزائم کو ناکام بنانے کی اپیل کی ہے۔ اس اخبار نے ملی پارلیامنٹ کو وشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس کے برابر کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہندو اور مسلم فسطائی جماعتیں ایک دوسرے کی معاون بن کر ایک ہی مقصد اور ایک ہی منزل کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ حکومت اور دوسری سیکولر جماعتیں سنجیدگی کے ساتھ اس نئے خطرے کا مقابلہ کریں گی اس پر وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اکثریت اور اقلیت دونوں کو ان نئے ابھرتے فسطائی رجحانات کے خطرناک نتائج پر غور کرنا ہوگا کیونکہ یہ ان کی بقا، ان کے تشخص اور ان کے مستقبل کے تحفظ کا سوال ہے ...... ایک ایسی ہی تنظیم ملی پارلیامنٹ ہے۔ ...... اس دوکان پر ایسا زہر آلود بکاؤ مال ہے جس کا اگر توڑ نہ کیا گیا تو وشو ہندو پریشد کی طرح ملی پارلیامنٹ بھی ہندوستان کو نفرت کی بھٹی میں جلانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ملی پارلیامنٹ نے مسلمانوں کو کافروں کے طابع نہ رکھنے کی جو بات کہی ہے اسی نظریہ کو لے کر بی جے پی اور وشو ہندو پریشد ہندوؤں کو اکسا رہی ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اور نام نہاد سیکولرزم کے نام پر مسلمانوں کی منہ بھرائی کر کے ہندوؤں کو غلام بنایا جارہا ہے۔"

اسی طرح جب ملی پارلیامنٹ نے اپنے دینی تقاضے کے تحت بوسنیائی مسلم بھائیوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف صف آرا ہونے کی اپیل ہندوستانی مسلمانوں سے کی تو اس اخبار پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور اس نے ایک خطرناک مضمون شائع کر کے ہندوستان کی انٹلی جنس ایجنسیوں سے ملی پارلیامنٹ کے خلاف ایکشن لینے کی بالواسطہ اپیل کی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کے لئے جانے والے مقدس قافلے کو "بے نام فوج" قرار دیتے ہوئے اسے ہدف تنقید بنایا۔ اخبار قومی آواز نے ملی پارلیامنٹ کے تعلق سے بارہا اپنی مسلم دشمن ذہنیت کو اجاگر کیا ہے اور قائد ملی پارلیامنٹ پر ذاتی اور رکیک حملے کرنے تک سے گریز نہیں کیا۔

قومی آواز ہی میں دہلی کے مولانا اخلاق حسین قاسمی اخبار کے مذکورہ اداریے اور ملی پارلیامنٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مراسلے میں لکھتے ہیں کہ "ہندوستان جیسے ملک میں کسی فرقہ کی بھی مذہبی حکومت ملک کی یک جہتی کے تصور سے میل نہیں کھاتی۔" حضرت مولانا سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا وہ یہ بات قرآن و سنت کی رو سے کہہ رہے ہیں اور کیا قرآن و سنت میں مذہبی حکومت کے قیام کے لئے اس قسم کی کوئی شرط عائد کی گئی ہے۔ کیا قرآن و سنت میں جو نظام پیش کیا گیا ہے وہ ہندوستان جیسے ملک میں قابل نفاذ نہیں ہے اور یہاں مذہبی حکومت کے قیام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں کے مشرکانہ اور ظالمانہ نظام کے تحت ہی ہمیں اپنی زندگی گزارنی چاہئے۔ مولانا آگے لکھتے ہیں کہ "کیا ایماندار مسلم قیادت ہندوستان کے غریب مسلمانوں کے دو روپے کے چندہ سے وجود میں آسکتی ہے یا ایسی قیادت کے لئے بیرونی سرمایہ کی فراوانی ضروری ہے۔ اگر یہ دوسری بات ہے تو اس سے توبہ ہی بھلی۔" یعنی اگر یہ مان لیا جائے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے دو روپے کے چندہ سے کوئی مسلم قیادت وجود میں نہیں آسکتی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان میں موجود مسلم قیادت ایماندار نہیں ہے۔ رہی دوسری بات تو کیا مولانا قرآن و سنت کی روشنی میں بیرونی سرمایہ کی فراوانی کا الزام عائد کر رہے ہیں۔ اگر بہ فرض محال بیرونی سرمایہ کی فراوانی کے الزام کو سچ مان بھی لیا جائے تو کیا قرآن و سنت میں صالح اور ایماندار قیادت پیش کرنے کے لئے بیرونی سرمایہ کی مدد لینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور کسی پر اس طرح الزام عائد کرنا کہاں تک درست اور حق بجانب ہے۔ کیا مولانا یہ بتائیں گے کہ ان کی مذکورہ دلیلوں کی بنیاد کیا ہے۔ کیا وہ قرآن و سنت کی رو سے ایسی بات کہہ رہے ہیں یا محض اپنی عقل سے ایسی دلیلیں دے رہے ہیں۔

دہلی میں ملی پارلیامنٹ کے کنونشن کے موقع پر دہلی کے ایک دوسرے اردو اخبار "فیصل" یہاں تک لکھ دیا تھا کہ ملی پارلیامنٹ ہندوستانی مسلمانوں کو انتشار میں مبتلا رکھنے کی ایک امریکی سازش ہے۔ مضمون کے مطابق "ملی پارلیامنٹ کا تماشہ کھڑا کر کے ڈاکٹر شاذ نے اپنے امریکی آقاؤں کی سازش کا آلہ کار بن کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی مسلمان علیحدگی پسند ہے اور اس کا ملک کے قومی دھارے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس طرح وشو ہندو پریشد بی جے پی اور آر ایس ایس کو مسلمانوں کے خلاف مزید منظم و متحد ہونے کے لئے جواز فراہم کیا ہے۔"

روزنامہ انڈین ایکسپریس نے اپنے اداریے میں قائد ملی پارلیامنٹ کو خود ساختہ لیڈر قرار دیتے ہوئے کنونشن کو ایک ناکام اور کنفیوزڈ کنونشن بتاتے ہوئے لکھا کہ "ملی پارلیامنٹ کے ذریعہ پاس کردہ کچھ قراردادوں سے ملک میں فرقہ پرستی میں اضافہ ہوگا جو کہ اس وقت ویسے بھی بابری مسجد کے انہدام کی وجہ سے عروج پر ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کی رکنیت حاصل کرنے کی کوشش سے ان عناصر کے الزامات کو تقویت حاصل ہوگی جو مسلمانوں پر ہندوستان

> ملی پارلیامنٹ نے جب بھی کوئی آواز بلند کی تو ہمارے قومی میڈیا میں زلزلہ آگیا، نام نہاد دانشوروں اور صحافیوں کا قلم جوش مارنے لگا، اخبارات میں ملی پارلیامنٹ کے خلاف مضامین شائع ہونے لگے، رپورٹیں قلمبند کی جانے لگیں، مراسلے لکھے جانے لگے اور ملی پارلیامنٹ کو آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد کا ہم پلہ قرار دینے کی جی توڑ کوشش کی جانے لگی

باقی صفحہ ۲۰ پر

آئندہ عام انتخابات مسلمانوں کی سیاسی بصیرت کا امتحان

نوٹ

آئندہ عام انتخاب کے پیش نظر مسلمانوں میں زبردست کشمکش وپیچ کی کیفیت ہے وہ سردست یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کس سیاسی جماعت کے حق میں اپنا ووٹ دیں۔ اس صورت حال میں ہماری کوشش ہے کہ سنجیدہ بحث کے اس کالم میں ایسی باتیں ابھر کر سامنے آئیں جو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ نہ سہی کم از کم کسی قسم کی حکمت عملی اختیار کرنے میں ضرور معاون ومددگار ثابت ہوں۔ اہل فکر اور صاحب الرائے حضرات کے خیالات ونظریات کو نمایاں انداز میں شائع کیا جائے گا (ایڈیٹر)

تحریر: شریف احسن مظہری

آئندہ عام انتخابات کے نتائج کیا ہوں گے یقینی طور پر کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا خصوصا ایسے ماحول میں جبکہ ووٹنگ سے ایک گھنٹہ قبل تک رائے عامہ کے تبدیل ہونے کے امکانات موجود ہوں۔ البتہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر یہ قیاس آرائی ضرور کی جاسکتی ہے کہ اس بار کے انتخاب میں کسی بھی سیاسی جماعت کو قطعی اکثریت حاصل ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے۔ اس بات کا احساس ان سیاسی جماعتوں کو بھی ہو چکا ہے جو مرکز تک پہنچنے کے بلند بانگ دعوے کیا کرتی ہیں۔ آج وہ بھی مسلمانوں کو رجھانے کے لئے مضحکہ خیز طریقہ کار اپنانے پر مجبور ہیں۔

مسلمانوں کی یہ بد قسمتی رہی ہے کہ آزادی کے چند ابتدائی سالوں کے بعد سے اب تک یا تو قیادت کا فقدان رہا ہے یا مفاد پرست، خود غرض اور ناعاقبت اندیش قیادت رہی ہے۔ کبھی اگر کسی نے مسلمانوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے کی جرات بھی کی تو اسے اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ اور اگر کبھی کوئی علیحدہ پلیٹ فارم وجود میں آیا بھی تو سازشوں کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں پہنچ گیا اور آج بھی پوری ملت بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی مانند ہے جس کا کوئی نگہباں نہیں۔ لیکن ۴۵ سالہ خونچکاں واقعات، فسادات کا لامتناہی سلسلہ، بابری مسجد کی شہادت اور مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی جیسے واقعات نے مسلمانوں کے اجتماعی شعور کو بیدار ضرور کر دیا ہے۔ اس لئے پہلے سے کوئی ٹھوس قیادت اگر موجود نہ بھی ہو تو وقتی طور پر وجود میں آنے والی مخلصانہ قیادت بھی مسلم رائے عامہ کو صحیح سمت دلانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

دیکھا جائے تو مرکز تک پہنچنے کی دوڑ میں شامل جماعتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو ہماری توقعات پر پوری اترتی ہو لیکن چوروں کے شہر میں ایک چھوٹے گرہ کٹ کو ایمانداری کی سند دی جاتی ہے اس اصول کے پیش نظر ہمیں کسی ایسی سیاسی پارٹی کا انتخاب کرنا ہو گا جس کے دامن پر خون مسلم کے نشانات نسبتاً ہلکے ہوں۔

جہاں تک کانگریس کا سوال ہے تو مسلمانوں کی اس دیرینہ مہربان نے چالیس سالہ وفاداری کا جو صلہ دیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان غلامی کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ جبلپور سے بھاگل پور اور اجودھیا سے سارا ہندوستان درد والم کی ایسی داستان ہے جس کی تفصیل میں ہم جانا نہیں چاہتے۔

دوسری بڑی پارٹی بی جے پی ہے جس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے اس لئے کہ بی جے پی خواہ اپنے چہرے پر جتنا بھی خوشنما پردہ ڈال لے مسلمانوں کے دلوں پر نقش اس کی تصویر کبھی ہلکی نہیں پڑ سکتی۔

تیسری پارٹی نیشنل فرنٹ ہے جو متعدد چھوٹی بڑی اور بظاہر غیر فرقہ پرست پارٹیوں کا معجون مرکب ہے۔ بلاشبہ ان میں شامل بعض جماعتوں نے ریاستی سطح پر فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پانے میں کچھ کامیابی حاصل کی ہے لیکن امن

باقی ص ۸ پر

بقیہ: سیاسی بل

بھی ان نو ریاستوں میں حقیقی مسلم نمائندوں کا عمل دخل بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی محرومی کے ازالے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ محض سیاسی ترتیب وتشکیل کا مسئلہ ہے ورنہ عددی قوت بذات خود کسی قوم کی سیاسی برتری کا فیصلہ نہیں کرتے۔ ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ کیرالہ اور مغربی بنگال میں مسلم آبادی کا تناسب تقریبا یکساں ہے لیکن کیرالہ میں جہاں مسلمان اپنی بنیادوں پر منظم ہونے کی وجہ سے ایک مؤثر سیاسی قوت ہونے کا احساس دلاتے ہیں وہیں مغربی بنگال میں سیاسی پارٹیوں کے حاشیہ نشیں بن جانے کی وجہ سے وہ صوبائی سیاست میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اب اگر اتنی بڑی عددی قوت کے ساتھ دانش مندانہ سیاسی حکمت عملی بھی بروئے کار لائی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے معاملات میں مسلمانوں کو فیصلہ کن سیاسی اہمیت حاصل نہ ہوسکے۔ اس کے برعکس اگر موجودہ سیاسی نظام کے اندر ہی مراعات تلاش کرنے کی روایت برقرار رکھی گئی تو آنے والے دنوں میں سیاسی ناانصافی کی اذیتوں سے پریشان ہو کر اس ملک کے مقہور ومجبور عوام ان راستوں کی طرف جانکلیں گے جس میں باشندگان ملک کی بھی تباہی ہے اور خود اس ملک کی بھی۔

مذکورہ اعداد وشمار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کے لئے منصفانہ سیاسی عمل دخل کا راستہ مسدود ہے۔ صورت حال اتنی سنگین ہے کہ ہندوؤں کے ذریعہ نامزد کردہ کامیاب مسلم امیدواروں کی تعداد بھی مسلسل کم ہو رہی ہے۔ جب کہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حلقہ انتخاب کے غیر منصفانہ تعین کے باوجود آج بھی تقریبا ۸۲ لوک سبھا حلقوں میں مسلمان ایک فیصلہ کن تعداد میں آباد ہیں۔ خود سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ملک کے اندر کم از کم ستر اضلاع ایسے موجود ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی تین لاکھ سے زائد ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مسلم آبادی کو ذات پات کی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے باوجود آج بھی مسلم آبادی کے حلقوں میں مسلم ووٹوں کا واضح ارتکاز موجود ہے۔ اب اگر مسلم آبادی کے ارتکاز کے پیش نظر پہلے مرحلے میں ان نو صوبوں سے جداگانہ انتخاب کا آغاز کیا جائے تو لوک سبھا کی سو سے زائد نشستیں مسلم نمائندگی کے حصے میں آئیں گی جو خود اتنی بڑی تعداد ہے جو اکثریت اور اقلیت کے سارے تصورات کو تہ وبالا کرنے کے لئے کافی ہے۔

انتخابات کا موجودہ منظر نامہ:—

موجودہ سیاسی نظام میں واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے کوئی متبادل نہیں ہے۔ ان نو ریاستوں میں جہاں مسلمانوں کی پچاسی فیصد آبادی رہتی ہے درج ذیل سیاسی پارٹیوں کو اثر حاصل ہے۔

جنتا دل، بی جے پی، شیو سینا، کانگریس آئی، سی پی آئی ایم سماج وادی پارٹی، سماجوادی جنتا پارٹی، سی پی آئی، انڈین یونین مسلم لیگ، تلگو دیشم، مجلس اتحاد المسلمین، آسام گن پریشد۔

جہاں تک مرکز کی حکمرانی کا سوال ہے تو اس کے لئے تین پارٹیاں اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کانگریس آئی، بی جے پی اور قومی مورچہ بائیں مورچہ کا مجوزہ محاذ۔ مسلم لیگ جو کیرالا کی سطح تک مؤثر قوت سمجھی جاتی تھی اب انتشار کا شکار ہے اور کچھ اسی عمل سے مجلس اتحاد المسلمین بھی دوچار ہے۔ قومی سطح کی پارٹیوں میں مسلمانوں کو گویا ان تین سیاسی محاذ کے درمیان ہی کسی ایک کو معتبر ٹھہرانا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ان تینوں سیاسی محاذ کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ کانگریس کو بابری مسجد کے انہدام اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے تو بی جے پی واضح طور پر مسلم دشمن رویے کے ساتھ میدان میں آئی ہے۔ جنتا دل، سماجوادی جنتا پارٹی اور بائیں بازو کی قوتیں نے بھی اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کو صرف وعدوں کا سبز باغ دکھاتی آئی ہیں جب کہ متعلقہ ریاستوں میں ان کی حکومتیں مسلم ووٹوں کی بنیاد پر ہی وجود میں آئی تھیں۔ ان تین منافقوں میں کسی ایک کا انتخاب مسلمانوں کی سیاسی مجبوری تو قرار دی جاسکتی ہے لیکن اسے ان کا پسندیدہ سیاسی فیصلہ باور نہیں کرایا جاسکتا۔ مسلمانوں میں گزشتہ چند برسوں میں یہ احساس بھی عام ہوا ہے کہ سبھی سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے انداز سے مسلمانوں کا سیاسی استحصال کرنا چاہتی ہیں۔ اور اس نکتے پر تو سبھی متفق ہیں کہ اس ملک میں کسی مسلم سیاسی قوت کے احیاء کا راستہ روکے رکھا جائے۔ رہے خوش کن بیانات اور سبز باغ دکھانے کا سلسلہ تو اس کا انتظام تقریبا سبھی بڑی پارٹیوں نے کم وبیش کر رکھا ہے۔ کانگریس آئی اگر پانچ سو کروڑ روپیوں کی تھیلی دکھاتی ہے تو بی جے پی نے بھی اماموں کی تنخواہوں میں اضافے اور شیروانیوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا ہے۔ رہی جنتا دل یا بائیں بازو کی قوتیں تو مسلمانوں کو مسحور کر دینے والی گرما گرم تقریروں کا یہاں بھی وافر انتظام ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں کے تئیں ان تمام پارٹیوں کے عملی رویے کا جائزہ لیا جائے تو سخت مایوسی ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کو مختلف قصائیوں میں سے ایک قصائی کا انتخاب کرنا ہے۔ اب ایک ایسی صورت حال میں یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ جب ووٹ دینے سے سیاسی غلامی کے سائے مزید گہرے ہوتے جاتے ہیں اور جب کسی پارٹی کو ووٹ دینے سے مسلمانوں کا کچھ بھی بھلا نہیں ہوتا تو آخر ووٹ دیا ہی کیوں جائے؟ اگر مسلمانوں کے پارلیامنٹ میں موجود ہونے یا وزارات کی کرسیوں پر براجمان رہنے سے امت مسلمہ کو ذرہ برابر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو ان نمائندوں کو پارلیامنٹ میں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بعض لوگ اس احساس فکر کو ہوسکتا ہے ایک منفی رویہ کا نام دیں اور بعض لوگ شاید یہ بھی کہیں کہ اس طرح مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی صفر ہو جائے گی لیکن جو لوگ اس اندیشے کا اظہار کرتے ہیں ان کی آنکھیں ان حقائق کو کیوں نہیں دیکھ پاتیں کہ فی الواقعہ آج بھی پارلیامنٹ میں امت مسلمہ کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے سے نام رکھنے والے اراکین پارلیامنٹ مسلمانوں کی نہیں بلکہ ان مشرک آقاؤں کے عزائم کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے قلم کی نامزدگی سے ان بے چاروں پر پارلیامنٹ کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس لئے یہ مفروضہ ہی باطل ہے کہ فی زمانہ ہندوستانی پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی کوئی نمائندگی موجود ہے۔ سوائے اس استثنی کے جو مسلم لیگ یا اتحاد المسلمین یا کسی آزاد رکن کی شکل میں دو تین آوازیں کبھی کبھی اس پارلیمنٹ میں اٹھتی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن موجودہ سیاسی نظام کے تحت یہ آوازیں اتنی کمزور ہیں کہ انہیں بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہندوستانی سیاست کی اس اندھی گلی میں جہاں امت مسلمہ پر سارے دروازے بند کر دئے گئے ہیں جہاں امت کے حقیقی نمائندوں کا پارلیامنٹ میں داخلہ ناممکن ہے۔ جہاں ملکی معاملات اور پالیسی امور میں امت مسلمہ کا عمل دخل عملی طور پر ختم کر دیا گیا ہے جہاں سیاست کے نئے میزانیے میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے تسلط کے بعد اب نیچی ذات کے ہندو اسے اپنا دست نگر بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور جہاں مسلم قائدین کے نزدیک امت مسلمہ کو ایک مشرک سیاسی قیادت کی تابعداری سے نکال کر دوسری مشرک سیاسی قیادت کی اتباع میں ڈال دینا سیاسی حکمت عملی کا نام قرار پایا ہے اور جہاں پوری امت یہ بھول چکی ہے کہ اس کا کام ملک کی سیادت کا فریضہ انجام دینا ہے اور یہ کہ مشرکین کا دست نگر بن کر رہنا خدا کے آخری رسول کی امت کے لئے باعث شرم ہے۔ ایک ایسے اجنبی ماحول میں ایک نئے سیاسی رویے کی تشکیل کا کام انتہائی ضروری ہو گیا ہے

موجودہ جبری سیاسی نظام میں نہاد مسلم نمائندگی کا میزانیہ:

لوک سبھا میں مسلم نمائندگی

۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۱ء

مسلم اراکین پارلیمنٹ کی تعداد

۱۹۹۱	۱۹۸۹	۱۹۸۴	۱۹۷۹	۱۹۷۷	۱۹۷۲	۱۹۶۷	۱۹۶۲	۱۹۵۷	۱۹۵۲
۲۷	۲۹	۴۵	۴۸	۳۲	۲۷	۲۹	۳۲	۲۴	۳۶
۴٫۹۵	۵٫۳۲	۸٫۲۵	۸٫۸۱	۶٫۰۳	۵٫۱۸	۵٫۶۸	۶٫۲۷	۴٫۷۴	۷٫۲۱ فیصد

کچھ یادیں کچھ باتیں
نحن خلیفۃ اللہ

ایک بزرگ گزرے ہیں آزاد سبحانی گورکھپور کے رہنے والے تھے، اچھی دلچسپ تقریر کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حسن سبحانی جامعہ ملیہ میں میرے ہم سبق رہے وہ جب دلی آتے استاذ ذاکر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام فرماتے۔ حسن سبحانی صاحب کے واسطے سے میری ان سے جان پہچان ہوئی۔ آزادی سے پہلے جب مسلم لیگ کا زور ہوا تو کلکتہ کے مسلمانوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے پیچھے عیدین کی نماز پڑھنے سے انکار کردیا۔ ان کی جگہ مولانا آزاد سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کو عیدین کی نماز کے لئے دعوت دی، چنانچہ وہ پڑھایا کرتے ان کا کہنا تھا کہ خلافت الہیہ کا تصور مسلمانوں کے دل و دماغ سے اوجھل ہوگیا ہے لہذا جب مسلمان آپس میں ملیں تو السلام علیکم کے بعد کہیں "نحن خلیفۃ اللہ"۔ وہ بے چین طبیعت کے آدمی تھے سال بھر سارے ہندوستان کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ بہت سے تعلیم یافتہ اور خوش حال لوگ ان کے معتقدین میں سے تھے۔ انہوں نے امریکہ جانے کا خیال ظاہر کیا تو ان کے معتقدین نے ان کے مصارف کا انتظام کردیا۔

میں جامعہ سے مئی ۱۹۴۰ء میں جامعہ کا آخری امتحان جامعہ سندی یا بی اے جامعہ دے کر دربھنگہ آگیا۔ کچھ دنوں کے بعد دربھنگہ کے ایک شفیع بیرسٹر صاحب کے یہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کو مدعو کرکے اپنی قیام گاہ میں لایا۔ حسب معمول جب ان سے السلام علیکم عرض کیا تو جواب میں انہوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و "نحن خلیفۃ اللہ" فرمایا، تب میں نے ان کو بتایا کہ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو مولانا مودودی نے جماعت اسلامی قائم کی ہے۔ اور اس کا نصب العین برصغیر ہند میں حکومت الہیہ کا قیام تجویز کیا ہے تو مولانا آزاد سبحانی نے خوشی کا اظہار کیا

جماعت اسلامی، اخوان المسلمین، نہضۃ العلماء انڈونیشیا، نورسی سعید رحمۃ اللہ علیہ ترکی، خمینی کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اور سوویت یونین کے زوال اور انتشار کے بعد جو مسلم ریاستیں آزاد ہوئی ہیں ان کے اسلام کی طرف رجوع ہونے کے نتیجے میں عالمی پیمانے پر مسلمانوں میں جو بیداری پیدا ہورہی ہے اس کا نام بنیاد پرستی، شدت پسندی، اسلامیت وغیرہ دے کر عالمی پیمانے پر مسلمانوں کے خلاف امریکہ، روس، ناٹو ایک محاذ بنارہے ہیں اور اپنی خدا بےزار و بے حیا تہذیب کے لئے خطرہ محسوس کررہے ہیں اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ باشعور، بیدار مسلمان بے شعور سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کریں اور ان کا نعرہ ہوسکتا ہے کہ ہم سچے مسلمان بنیں اور مسلمانوں کو سچا مسلمان بنائیں۔

(Let us be Muslims Let us be Fundamentalists)

(فتوبوا الی اللہ ففروا الی اللہ) اللہ کی طرف پلٹو، اللہ کی طرف بھاگو۔

محمد حسنین سید
اسلام نگر۔ دربھنگہ

پتہ یہ ہے

ہندی ماہنامہ تعمیر ملت کا پتہ:
ماہنامہ "تعمیر ملت"
۳۳ بی۔ اوگیان نگر، کوٹہ، راجستھان ۳۲۴۰۰۵

شاعرات اور گیت کاروں سے گذارش

شاعری کے میدان میں خواتین مردوں کے شانہ بہ شانہ سرگرم عمل ہیں لیکن ان کا کوئی نمائندہ انتخاب دستیاب نہیں ہے۔ "غزال و غزل" کے نام سے ایک انتخاب زیر ترتیب ہے۔ جس میں دور حاضر کی نمائندہ شاعرات کا کلام اور تعارفی خاکہ ہوگا۔

گیت کا آغاز امیر خسرو سے ہوا اس وقت سے لے کر اب تک گیت لکھے جارہے ہیں۔ گیتوں کا انتخاب "گیت گنگا" کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ انتخاب زیر ترتیب ہے۔ شاعرات اور گیت کاروں سے گزارش ہے کہ غزل، نظم اور گیت (کم از کم پانچ) کے ہمراہ تعارف اور اپنی تصویر جلد از جلد ارسال فرمائیں۔ دونوں انتخاب مارچ تک منظر عام پر آئیں گے۔

جاوید قمر
۹۶۔ ساؤتھ ایونیو۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱

یہ ایک منفرد جریدہ ہے

ملی ٹائمز انٹر نیشنل کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس سے بہت سی جانکاری حاصل ہوتی رہتی ہے۔ واقعی یہ اردو دنیا کا منفرد جریدہ ہے جو اردو قارئین تک نہایت دلکشی و خوشنمائی، شجاعت و دلیری سے اور تعصب و تنگ نظری سے بچ کر احسن پیرایوں میں اپنی خبر پیش کرتا ہے جسے پڑھتے ہی قاری کا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ اللہ سے دست بہ دعا ہوں کہ اس اخبار کو دوام بخشے اور اس مشن میں جدوجہد کرنے والوں کو ثابت قدم رکھے۔ آمین!

شوکت سمبلوی
متعلم دارالعلوم احمدیہ سلفیہ۔ دربھنگہ (بہار)

کیا ایسی تنقید مناسب ہے

۱ تا ۱۵ نومبر کے شمارے میں صفحہ ۱۵ پر جن خیالات کا اظہار " جماعت اسلامی کا سیاسی SALE " میں کیا گیا ہے، وہ یقیناً قابل غور ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی کی شوریٰ ہی تمام تنظیمی امور میں آخری فیصلہ کرتی ہے، اسی طرح یہ سیاسی سیل بھی اسی قبیل کی ہے۔ دوسری طرف ظاہر ہے کہ "ملی ٹائمز" دنیا کے اطراف میں جاتا ہے تو پھر جماعت پر اس طرح تنقید کرکے دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا کہاں تک مناسب ہے؟ اس طرح اس کی تشہیر کرنا کسی بھی صورت میں معقول نہیں ہے۔ اگر آپ اس سیاسی سیل کو غلط سمجھتے، یا اس سے اختلاف رکھتے ہیں تو اس کو جماعت کے مرکزی ذمہ داران تک پیش کرکے بتایا جاسکتا ہے نہ کہ اس طرح تند و تیز تحریر کے ذریعے لوگوں کو بدظن کرنے کا سبب بنا جائے، توقع ہے کہ آنجناب اس جانب غور کریں گے، اور آئندہ احتیاط برتیں گے۔ بقیہ تمام مشمولات و مندرجات پسند آئے، کتابوں پر تبصرہ کرنے کا عمل اور دلچسپ اور اثر آفریں بنائیے، اور حالات حاضرہ کے جو ایشوز نیشنل پریس اور یہودی لابی کے ذریعے چھپادیے جاتے ہیں ان کو نمایاں کیجئے، خدا ملی ٹائمز کو دن رات اجالا پھیلانے کی توفیق بخشے۔

صغیر احمد
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)

میرے لائق کوئی خدمت

ملی ٹائمز کے مضامین دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے یہ اخبار غیر ممالک میں شائع ہورہا ہے بڑے دو ٹوک اور جرات آموز مضمون ہوتے ہیں۔ اللہ دشمنوں سے بچائے اور اپنی امان میں رکھے۔ مراد آباد میں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں۔

جاوید بھارتی
معرفت حافظ ضیاء الدین ریسٹورنٹ، ریتی اسٹریٹ، مراد آباد

انتخابی جنگ اور مسلمان

اللہ تعالی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیو! ہماری یہ انتخابی جنگ دنیا کے تمام سرکش انسانوں کے خلاف ہے جو اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ ہم اللہ کی اس زمین پر اس دنیا کے تمام انسانوں کی سلامتی چاہتے ہیں۔ ہمارا رہبر قرآن ہے۔ قرآن مجید کے تیسویں پارہ کے سورہ البروج میں اللہ تعالی فرماتا ہے "آسمانوں اور زمین پر سلطنت اللہ تعالی کی ہے۔ " آج آزاد سیکولر جمہوریہ ہند کی حکومت کانگریس سیکولرزم کے تحفظ اور غریبوں بالخصوص مسلمانوں کے بہبود و فلاح کے پروگرام کو نافذ کرنے میں قطعی ناکام ثابت ہوچکی ہے۔

بابری مسجد کا تحفظ نہ کرنے والی اور بابری مسجد کو شہید کرنے والی فاشسٹ و فسطائی قوتوں کے خلاف مسلمانوں کو متحد ہونے سے روکنا مسلمانوں کو منتشر اور گمراہ کرنے کی کارروائی سمجھی جائے گی۔ آج ہم مسلمانوں کو ایک ایسے پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی ضرورت ہے جس پر بلاتفریق ہر سیاسی جماعت اور ہر نظریہ سے تعلق رکھنے والے تمام مسلمان اکٹھے ہوسکیں تاکہ پوری امت مسلمہ متحد ہوکر پورے ملک کی سیاست اور سیاسی جماعتوں کی حکومتوں پر اثرانداز ہوسکیں۔ ہم مسلمانان ہند آئینی جمہوریت کے تحت امن و امان، بھائی چارہ قائم رکھنے کے لئے قانون کی حکومت، انسانی حقوق کی پاسداری اور سماجی انصاف چاہتے ہیں۔ ہر شخص اور ہر طبقہ کی آبرو، جان و مال اور دین و ایمان کا یہ معاملہ ملت اسلامیہ کی پوری پوری توجہ چاہتا ہے جسے متحد ہوکر طے کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

اگر ہم مسلمانان ہند نے متحد ہوکر کوئی فیصلہ نہیں کیا تو ملک میں گاندھی جی اور بابری مسجد کے قاتلوں کا راج ہوجائے گا۔

القاضی محمد ساجد الحق صدیقی
۱/۰، کوٹھی اطانس، میرٹھ شہر ۲

یہ تضاد ہے

۱۶۔۳۱ دسمبر کے شمارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے اس اخبار کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کفار و مشرکین کی اتباع سے نجات دلانا ہے۔ اسی شمارہ کے آخری صفحہ پر فحش تصویر شائع کی گئی ہے۔ ضرورت پڑنے پر تصویر شائع کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر فحش تصویر جو دراصل کفار و مشرکین کی اتباع ہے اور وہ بھی بلا ضرورت کیوں شائع کی گئی۔ اخبار کو شہرت دینے کے اور بھی جائز راستے ہوسکتے ہیں۔ یہ اخبار انشاء اللہ مشہور ہوگا کیوں کہ اس کا اسٹینڈرڈ معیاری ہے اور موضوعات بھی سنجیدہ ہوتے ہیں۔ مسلمان قوم کو نفسانی جذبات کو کچلنے اور سنجیدہ ہونے کی ترغیب دیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم لوگوں کو تضاد سے پاک کرے۔ مقصد عظیم کا تصور ہمیشہ قائم رہے۔

خالد پرویز
کلکتہ (مغربی بنگال)

امت کی بیماری

یہ امت کی ایک بہت بڑی بیماری ہے کہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچائی پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔ لوگ ایک مومن بھائی کے نظریات و خیالات کی قرآن و سنت کی رو سے اصلاح کرنے کے بجائے تنقید کرتے ہیں۔ گروہ بندیاں ہوتی ہیں اور پھر امت آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہے۔ اس حالت میں سب سے زیادہ اہم رول اسلامی میڈیا پر عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی کرے۔ میں ملی ٹائمز کے لئے چند مشورے دے رہا ہوں۔ موضوع مسلم دنیا کو زیادہ واضح علمی و فکری بنیاد پر پیش کریں۔ تعمیر سیرت کا مضمون سطحی نہ ہو بلکہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زندگی کے واقعات پیش کریں۔ انکشاف کا موضوع میری نظر میں ایک بکواس ہے اس کی جگہ پر کیریئر گائڈ ہونا چاہئے افضل حسین۔ بروے۔ رانچی (بہار)

ایک سے بڑھ کر ایک

میں ملی ٹائمز انٹر نیشنل برابر پڑھتا ہوں۔ اخبار اپنی مثال آپ ہے۔ اخبار کے اندرونی مضامین ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اس میں شائع ہونے والے تمام مضامین معلومات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ اس بے باک اخبار میں عالم اسلام کے حالات کے بارے میں آپ جس طرح تفصیلی معلومات دیتے ہیں وہ بالکل آج کے حالات میں صحیح ہے اور اس سے دینی معلومات بھی ہوتی ہے۔

قمر عالم
سرائے سلطانی۔ علی گڑھ

ہم قیامت تک نہیں بھولیں گے

۶ دسمبر کا دن آیا اور گزر گیا دنیا کا کوئی مسلمان اس دن کی کسک کو فراموش نہیں کر پائے گا۔ کتنے دکھ اور عبرت کا مقام ہے کہ مسلمان اگر اس قتل کی برسی کو خاموشی سے منانا چاہیں تو ایسا نہیں ہونے دیا جاتا اور قاتل ببانگ دہل قتل کا اعلان کرے اور پھر قتل کے اس دن کو فاتح کے روپ میں منائے تو اجازت ہے۔ صوبائی الیکشنوں میں کانگریس کی جس طرح مٹی پلید ہوئی ہے وہ مسلمانوں کی کانگریس کے خلاف نفرت کا ایک نمونہ ہے۔

آج نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو سخت حیرت ہے کہ کسی ملک کا سربراہ اتنا بڑا وعدہ شکن ہوسکتا ہے کہ اس نے ریڈیو، ٹیلی ویژن پر پوری دنیا کے سامنے بابری مسجد کی تعمیر کا وعدہ کیا اور بھول گیا۔ ظاہر ہے جس ملک کا سربراہ اور جس پارٹی کا لیڈر جھوٹ بولے اس پارٹی پر اعتبار کون کرے گا؟ لوگوں کو تو تعجب ان مردہ ضمیر کانگریس کے چھوٹے بڑے مسلمان لیڈروں پر ہے جو آج بھی کانگریس سے وابستہ ہیں اور اپنی وفاداری کا اعلان کرتے ہیں اس سانحہ نے جہاں فرقہ پرستوں کو ننگا کردیا وہیں مسلم قیادت کی بھی پول کھل گئی۔ بڑے بڑے دعوے کرنے والے بڑی بڑی پرجوش تقریریں کرنے والے مسلم لیڈر تہہ خانوں میں روپوش ہوگئے۔

عشرت حسین ایڈوکیٹ
صوبائی صدر یوتھ مسلم لیگ۔ مراد آباد

بی جے پی کی کامیابی کے امکانات؟

اترپردیش کے بلدیاتی انتخابات کے نتائج اس بات کا ثبوت ہیں کہ آئندہ پارلیمانی و ریاستی اسمبلی کے چناؤ میں اصل مقابلہ بی جے پی اور غیر بی جے پی جماعتوں کے درمیان ہی ہونا ہے۔ کانگریس آئی یا تیواری کانگریس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

انتخابات کے بعد سے ہی پریس اور میڈیا کا وہ طبقہ جو بی جے پی کا حامی ہے لگاتار یہ تاثر دینے کی کوشش کررہا ہے کہ آئندہ پارلیمانی اور اسمبلی کے انتخابات میں بھی بی جے پی کو ایسی ہی کامیابی ملے گی۔

لیکن کیا محض پریس اور میڈیا کے غلط تاثر دینے کی کوشش کی وجہ سے ہی مرکز میں بی جے پی کی حکومت قائم ہوجائے گی۔

واضح رہے کہ چونکہ یوپی کی سنگلاخ اور چٹیل سیاسی میدان میں ایک نئے مہابھارت کا کروکشیتر بننے والا ہے جس سے گزر کر ہی بی جے پی کی فوجوں کو دہلی تک پہنچنا ہوگا۔ مذکورہ تمام حالات کا سرسری طور سے بھی جائزہ لیا جائے تو بلاشک و شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرکز میں بی جے پی کا حکومت بنالینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہاں اسے کانگریس آئی کی مکمل حمایت نہ حاصل ہو اور تمام غیر بی جے پی ووٹ مکمل طور سے منتشر نہ ہوجائیں۔

انوار عالم خاں ایڈوکیٹ
کلکتہ

انقلابیوں اور سیاسی دور اندیشوں میں رسہ کشی

ایران کے ہاتھ سے اسلامی انقلاب کا دامن چھوٹتا جارہا ہے

یا تو ایران کا حکمراں طبقہ کمزور پڑ رہا ہے یا پھر اپنی انقلابی پالیسی میں تبدیلی کر رہا ہے یا شاید خود اعتمادی کا نتیجہ ہے کہ وہاں اب حکومت اور لیڈروں کی کھل کر تنقید ایک عام بات ہو گئی ہے ۔ رہنمائے انقلاب آیت اللہ خمینی کوئی بھی پالیسی بناتے ہوئے اسلام کے اصولوں اور مسلمانوں کے مفادات کو سامنے رکھتے تھے چاہے اس سے ایران کا اپنا نقصان ہو۔

لیکن موجودہ ایرانی قیادت آیت اللہ خمینی کے وزن اور آہنی قوت فیصلہ سے تہی دامن ہے۔ مغرب کی معاشی جنگ سے پریشان ہو کر وہ اب ہر فیصلہ معاشی نقطہ نظر سے کرتے ہیں چاہے اس کے لئے انقلابی اصولوں کو بالائے طاق رکھنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ایران میں ان علماء کو خاص طور سے نشانہ تنقید بنایا جارہا ہے جو آیت اللہ خمینی کی انقلابیت اور سود و زیاں سے بے پروا اسلامی حمیت و ذہنیت کے حامل ہیں۔

آئندہ مارچ میں ایران میں انتخابات ہونے والے ہیں اور ایک طرح سے اس کے لئے مہم کا آغاز ابھی سے شروع ہو گیا ہے ۔ ابھی افراد اور پارٹیوں کے درمیان یہ مہم نہیں چل رہی ہے بلکہ اس کا ظہور اخبارات و رسائل میں مباحثے کی شکل میں ہوا ہے۔ اس جاری مباحثے کا عنوان اسلامی انقلابی پالیسی اور حکمت عملی ہے۔ حکمت عملی کے حامیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایران کی معاشی حیات کی خاطر اسلامی انقلابی پالیسی کو بالائے طاق رکھ کر حکمت عملی سے کام لینا چاہئے ۔ اس خیال کے حامی زیادہ تر وہ لوگ رہے ہیں جو حکومت سے باہر ہیں۔ لیکن اب بعض وہ لوگ بھی اس کی حمایت کرنے لگے ہیں جن کا تعلق حکمراں طبقے سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۹ء کے بعد پہلی بار اہم اور بڑے فیصلے معاشی مفادات کو سامنے رکھ کر لئے جارہے ہیں نہ کہ آیت اللہ خمینی کے انقلابی نقطہ نظر سے۔

ملک کے اندر بھی خمینی کی انقلابی پالیسیوں کے حامیوں کو اب وہ اہمیت حاصل نہیں رہی

> لیکن موجودہ ایرانی قیادت آیت اللہ خمینی کے وزن اور آہنی قوت فیصلہ سے تہی دامن ہے ۔ مغرب کی معاشی جنگ سے پریشان ہو کر وہ اب ہر فیصلہ معاشی نقطہ نظر سے کرتے ہیں چاہے اس کے لئے انقلابی اصولوں کو بالائے طاق رکھنا پڑے۔

جو پہلے انہیں حاصل تھی ۔ بلاشبہ مذہبی تربیت کے بغیر اب بھی ایرانی سیاست میں کوئی مقام حاصل کرنا دشوار یا شاید ناممکن ہے ۔ مگر مذہبی انقلابیوں کو اب کھلے عام چیلنج کیا جاتا ہے۔ ان چیلنج کرنے والوں میں سرفہرست تہران کے میئر غلام حسین کارباشی ہیں۔ انہوں نے ۱۹۹۰ء میں تہران کی میئر شپ سنبھالی اور اس وقت سے تہران کی صورت بدل دی ہے۔

غلام حسین "ہم شہری" نامی ایک اخبار نکالتے ہیں جس میں وہ مذہبی انقلابیوں کی کھل کر تنقید کرتے ہیں۔ دوسرے اخبارات بھی اب لگی لپٹی کے بجائے کھل کر لکھنے لگے ہیں۔ یہاں تک کہ حکومت کے زیر کنٹرول ریڈیو اور اخبارات بھی بعض امور پر حکومت کی یا اس کے سرکردہ لیڈران کی تنقید کرنے سے باز نہیں رہتے ۔ ایک ٹی وی جرنلسٹ کا کہنا ہے کہ ملک کے روحانی رہنما آیت اللہ خامنہ ای کے علاوہ وہ کسی بھی شخص کی، وہ صدر، وزیر اعظم یا کوئی دوسرا وزیر ہی کیوں نہ ہو، وہ سب کی تنقید کر سکتے ہیں ۔ بعض سیاستداں تو سپریم روحانی لیڈر کو بھی اب نہیں بخشتے یا بعض معاملات میں ان کے انتظامی اختیارات کو چیلنج کر رہے ہیں، عبدالکریم سروش جیسے دانشور تو کھل کر کہہ رہے ہیں کہ مسجد اور ریاست کے درمیان تعلق کو کمزور ہونا چاہئے ۔ ایسے خیالات کا اظہار بالعموم تہران یونیورسٹی یا وہاں کے خوشحال علاقوں میں کیا جاتا ہے۔ تہران

کے غرباء اب بھی بہرحال انقلابیوں کے ساتھ ہیں کیوں کہ انقلاب سے ان کے ایک بڑے حصے کو کافی فائدہ پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت اللہ جنتی کی تنظیم انصار حزب اللہ کو ایسے لوگوں کے درمیان کافی مقبولیت حاصل ہے۔ یہ تنظیم اسلامی انقلابیوں کے ناقدین کو بھی اب چیلنج کر رہی ہے ۔ بلاشبہ ایران اب بھی مذہبی انقلابیت کا علمبردار ہے اور مستقبل قریب میں اس کے اس انقلابی راستے سے ہٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مذہبی شخص ہو یا کوئی لبرل، دونوں ہی اس بات پر متفق ہیں کہ ایران کا آئندہ صدر بھی کوئی مذہبی انقلابی شخص ہی ہو گا ۔ صدارتی انتخابات ۱۹۹۷ء میں ہوں گے اور دستور کے مطابق موجودہ صدر تیسری بار اس عہدے کا انتخاب نہیں لڑ سکتے ۔ عام خیال ہے کہ پارلیمنٹ کے اسپیکر ناطق نوری اگلے صدر ہوں گے ۔ ان سب باتوں کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ خود ایران کے حکمراں انقلابی طبقے میں ایک قسم کی "جنگ" جاری ہے جس میں ایک طبقہ "حکمت عملی" کو اور دوسرا اسلامی انقلابی اصولوں کو ترجیح دے رہا ہے ۔ حکومت چونکہ مستحکم ہے اور اب اسے کافی تجربہ بھی ہے اس لئے وہ ایسے مباحثوں کی اجازت بھی دے رہی ہے ۔ خود پر تنقید کی اجازت وہی دیتا ہے جس کی اپنی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

●

مسلم سوڈان میں عیسائی مملکت کے قیام کا خدشہ

کسی بھی انقلابی اقدام، خصوصاً اسلامی رنگ لئے ہوئے سے دنیا جہاں کی مخالفتیں شروع ہوجاتی ہیں ۔ اپنے خفا ہوتے ہیں اور بیگانے ناخوش ۔ کچھ ایسا ہی تجربہ آج کل سوڈان کے اسلام پسند حکمرانوں کو ہورہا ہے ۔ جب سے موجودہ حکومت نے وہاں ڈاکٹر ترابی کی خاموش رہنمائی میں اسلامی پالیسیوں کا کامیابی سے نفاذ کرنا شروع کیا ہے اسی وقت سے مغرب اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے ۔ آج مغرب بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب ہے کیونکہ اس نے بڑی ہوشیاری اور سرگرم ڈپلومیسی سے سوڈان کے تقریباً تمام ہی پڑوسیوں کو اس سے ناراض کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ بھی برآمد ہونے لگا ہے۔ جنوبی سوڈان میں جہاں عیسائی اچھی خاصی تعداد میں رہتے ہیں ۱۹۵۵ء سے شمالی سوڈان سے علیحدگی کی بغاوت پھوٹی پڑی ہوئی ہے ۔ موجودہ حکومت نے اقتدار میں آنے کے بعد ملیشیا عیسائی لیڈر نارنگ اور دوسرے باغیوں پر کاری ضرب لگائی اور انہیں پڑوسی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران خرطوم پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ اس علاقے میں کام کر رہی مغرب کی خیراتی ایجنسیاں جنوب کی عیسائی بغاوت کو ہوا دیتی رہی ہیں تاکہ وہاں عیسائی حکومت قائم کر سکیں۔ اس انکشاف کے بعد خرطوم نے ایسی ناپسندیدہ ایجنسیوں پر پابندی عائد کر دی۔

سوڈان کے اکثر پڑوسی ممالک میں کسی نہ کسی درجے میں آمریت پائی جاتی ہے اور چھوٹے یا بڑے پیمانے پر وہاں اسلامی تحریکیں غلبہ اسلام کے لئے کوشاں ہیں۔ یوگینڈا، کینیا، ایتھوپیا، لیبیا، اریٹریا اور مصر اس کے پڑوسی ممالک ہیں اور ان میں اکثر ممالک کی غاصب حکومتوں کے خلاف اسلام پسند سرگرم عمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کینیا کے علاوہ دوسرے تمام ممالک کھل کر سوڈان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ سب سے مضحکہ خیز معاملہ یوگینڈا کا ہے جہاں کی عیسائی حکومت کے خلاف بعض عیسائی گروہ مسلح بغاوت برپا کئے ہوئے ہیں ۔ یوگینڈا نہ صرف کھل کر کاجان نارنگ اور دوسرے سوڈانی باغیوں کی مدد کر رہا ہے بلکہ سرحد پر اپنی فوجیں جمع کر رکھی ہیں اور سوڈان پر حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے ۔ مصر اور لیبیا بھی خرطوم سے خفا ہیں ۔ حال ہی میں آزاد ہونے والا اریٹیریا بھی خرطوم کی اسی لئے مخالفت کر رہا ہے کہ حکمراں طبقے کی مسلسل ناکامیوں پر کوئی اور نہیں بلکہ اسلام پسند ہی کھل کر تنقید کر رہے ہیں۔ اریٹریا کا

> جب سے موجودہ حکومت نے وہاں ڈاکٹر ترابی کی خاموش رہنمائی میں اسلامی پالیسیوں کا کامیابی سے نفاذ کرنا شروع کیا ہے اسی وقت سے مغرب اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ آج مغرب بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب ہے

الزام ہے کہ سوڈان ان اسلام پسندوں کی حمایت کر رہا ہے اور اسی بنیاد پر اس نے کوشش کر کے جان نارنگ اور دوسرے باغی سوڈانی لیڈروں کے درمیان سمجھوتہ کرا دیا ہے ۔ اس معاہدے کے بعد گزشتہ سال اکتوبر میں باغیوں نے جنوبی سوڈان میں دوبارہ اپنی کارروائیاں شروع کیں۔ سرکاری فوجوں کو جنوب میں ایک بار پھر کئی مقامات سے پسپا ہونا پڑا ہے۔ اریٹریا نے اعتراف بھی کیا ہے کہ اسی نے باغیوں کو ہتھیار فراہم کئے ہیں ۔ گزشتہ جون میں اس نے شمالی سوڈان کے مسلمان اپوزیشن لیڈروں اور جنوب کے عیسائی باغی لیڈروں کے درمیان ایک معاہدہ کرا کے نیشنل ڈیموکریٹک الائنس قائم کی تھی جو اس وقت خرطوم کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ جنوب میں باغیوں کی حالیہ کامیابیوں کے بعد اس الائنس کے ملٹری لیڈر عبدالعزیز خالد نے اریٹریا سے سوڈانی فوجیوں سے اپیل کی کہ وہ موجودہ خرطوم حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں

اچھے ہتھیاروں سے مسلح باغیوں نے جان نارنگ کی قیادت میں جنوبی سوڈان کے مرکزی شہر جوبا کا محاصرہ کر رکھا ہے ۔ امریکہ اور اسرائیل اس صورت حال سے کافی خوش ہیں۔

جوبا (Juba) کا نارنگ کی فوجوں نے محاصرہ کر رکھا ہے اور دعوی کر رہے ہیں کہ وہ بہت جلد اس شہر پر قبضہ کر لیں گے ۔ نارنگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قبضے کا مقصد خرطوم کی حکومت گرانا نہیں بلکہ خود اپنی عیسائی حکومت قائم کرنا ہے ۔ نارنگ کا پلان یہ ہے کہ جنوبی سوڈان پر قبضہ کر کے ایک علیحدہ ریاست کی آزادی کا اعلان کر کے بین الاقوامی برادری سے اسے تسلیم کرانے کی کوشش کریں ۔ نارنگ کے اس بیان کے بعد نیشنل ڈیموکریٹک الائنس میں پھوٹ پڑ گئی ہے کیونکہ شمالی سوڈان سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپوزیشن لیڈر ملک کی تقسیم نہیں بلکہ موجودہ حکومت کی تبدیلی چاہتے ہیں ۔ اسرائیل اور امریکہ کو تشویش ہے کہ اس پھوٹ سے خرطوم کی حکومت کو فائدہ پہنچے گا ۔ بہرحال سوڈان، ایک اسلامی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے آج اپنوں اور بیگانوں، مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی ریشہ دوانیوں سے دوچار ہے ۔ یہ وقت ہی بتائے گا کہ سوڈان کے اسلام پسند اس خطرناک صورت حال کا کس طریقے سے مقابلہ کرتے ہیں۔

سیاستدانوں کی خاموشی کا یہ مطلب نہیں کہ فرقہ واریت کا خاتمہ ہو گیا

حقیقت تو یہ ہے کہ عوام پہلے کے مقابلے میں زیادہ فرقہ پرست ہو گئے ہیں

تحریر: نیلوفر سہروردی

بابری مسجد کے انہدام کے بعد فرقہ وارانہ انتشار سے خالی تین سال کا وقفہ کیا اس کا اشارہ ہے کہ خصوصاً اجودھیا کی نوعیت کے مسائل ہمارے معاشرے کے بعض طبقوں کو ۱۹۹۲ء کی سطح کے فرقہ وارانہ جنون میں مبتلا کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ اس کا جواب اثبات میں بھی ہے اور انکار میں بھی۔ اس مسئلے پر پہلے دونوں فرقوں میں یکساں احتجاجی رجحان پایا جاتا تھا ہندو بابری مسجد گرانے اور اس کی جگہ پر مندر تعمیر کرنے پر اڑے ہوئے تھے تو مسلمان مسجد کو بچانے پر مصر تھے۔ مسجد ایک فریق نے گرا دی دوسرا اسے بچا نہیں سکا ان دو سطحوں پر تصادم کا امکان تو جاتا رہا۔ اب رہ گیا صرف مندر تعمیر کرنے کا معاملہ تو یکمشت تینوں عوامل کے مقابلے میں اس کی تصادم افزا صلاحیت بہت کم رہ جائے گی۔

جیسا کہ دو فرقوں کے درمیان تصادم کی نفسیات رہی ہے کہ کسی مقصد کے حصول کی خاطر پہلے متعلقہ فرقوں کے اندر ایک دوسرے کے خلاف رائے عامہ خوب ہموار کی جاتی ہے اور یہی اجودھیا کے معاملے میں بھی ہوا کہ دسمبر ۱۹۹۲ء میں جو سانحہ پیش آیا اس کے لئے ایک گروہ کی طرف سے فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں فضا ۱۹۸۰ء سے ہی ہموار کی جا رہی تھی۔ فسادات ۱۹۹۲ء کے بعد بھی ملک میں ہوئے تو ہیں لیکن اس جیسی شدت ان میں نہیں رہی۔ پہلے چونکہ عوام اجودھیا کے تنازعے سے باخبر تھے اس لئے فرقہ وارانہ فسادات بھی قومی زندگی کا حصہ سمجھے جاتے رہے۔ یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران فسادات کے رونما نہ ہونے سے کیا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ متھرا، وارانسی اور کاشی کے مسئلہ پر اجودھیا جیسا شدید فرقہ وارانہ تصادم بھڑکایا جائے گا۔ بعض حلقوں میں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اگرچہ سیاستداں حضرات اس وقت لوگوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل نہیں کر رہے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آئندہ بھی ایسا کرنے سے باز رہیں گے۔ نیز یہ کہ سیاستداں پہلے جیسے شدید مذہبی حربے استعمال کرنے سے دانستہ طور پر گریز کر رہے ہیں تو اس کی وجہ صاف ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کہ سردست مذہبی حربے ۱۹۹۲ء جیسی انتخابی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہندتو نواز پارٹیاں اتر پردیش میں اقتدار سے ہٹ نہ جائیں۔

اس ملک میں فرقہ واریت کی جڑیں گہری ہو گئی ہیں

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ عام خیال یہ ہے کہ فسادات کے برابر نہ ہوتے رہنے اور سیاستدانوں کے منہ سے فرقہ واریت کی تشہیر کے موقوف ہو جانے سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ فرقہ واریت عوام کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پہلے کے مقابلے میں عوام زیادہ فرقہ پرست اور بنیاد پرست ہو گئے ہیں اور اس کا اظہار پہلے سے کہیں زیادہ واضح انداز میں ہونے لگا ہے۔ گنیش مورتی کے دودھ پینے پر بعض طبقوں کا جو ردعمل سامنے آیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی جنون آج بھی لوگوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔

عوام کی طرف سے ان کی مذہبی شناخت پر اصرار اور اس کے اظہار کو مغربی اور ہندوستانی زاویہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اول الذکر کی نظر میں سیکولرزم مذہب سے الگ ایک تصور ہے۔ ہندوستانی دستور سازوں نے یہاں کے آئین میں کثیر مذہبی خصوصیات کے پیش نظر اس لفظ کو شامل کیا تھا۔ مغرب میں مذہبی بنیاد پرستی کو ایک ایسی مذہبی تحریک سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا روئے سخن ریاست یا کسی خارجی گروہ کی طرف ہو اس کے برعکس ہندوستانی تاریخ، مذہبی ادب، بھکتی اور صوفی تحریکوں، بدھ ازم اور جین ازم کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی بنیاد پرستی ہمیشہ سے ہندوستانی معاشرہ کا ایک داخلی عنصر رہی ہے جسے کسی خارجی مثبت یا منفی مقاصد سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ اس کے محرکات خالصتاً داخلی ہیں۔

تاہم اس سیاق میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی مذہبی گروہ کا رات بھر مصروف کیرتن رہنے یا گنیش مورتی کو دودھ پلانے کے عمل کو مسلمانوں کے خلاف شدت و تعصب کے اظہار سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی معاشرہ میں چونکہ مذہبی اقدار کی بھرمار ہے اس طرح کی تقریبات اور مذہبی رسوم کا انعقاد کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان رسوم میں ہر ہندو شریک ہوتا ہے لیکن ہر شخص کی انفرادی شناخت کسی حریف گروہ یا فرقے کے خلاف لوگوں کو متحد کرنے میں مصروف جماعت کی شناخت میں ضم نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی اختلاف کو مبالغہ آرائی کی حد تک تصادم افزا قرار دینے کی کوششیں بھی باعث حیرت ہیں۔ مسجد کے انہدام میں شریک دو لاکھ ہندوؤں کو پورے فرقہ کا نمائندہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فرقہ واریت کا زہر خواہ کتنا ہی دوررس رہا ہو ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ مسلمانوں کی حفاظت ان کے ہندو ہمسایوں نے کی ہے۔ تاہم فرقہ وارانہ فسادات کی شدت و سنگینی کو دیکھتے ہوئے ان کے دوبارہ وقوع کو خارج از امکان نہیں کہا جا سکتا۔

بات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ اجودھیا کا تنازعہ بھی وقتاً فوقتاً سیاستدانوں کی طرف سے چھیڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن چند لوگوں کی آواز کو زبان خلق کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ آج کا زمانہ ۱۹۴۷ء، ۱۹۸۹ اور ۱۹۹۲ء سے مختلف ہے۔

جب آزادی خیال اور نیم ابلاغی تہذیب نے ایک سے زائد طریقوں سے عوام کو سیاسی بیداری سے ہمکنار کیا ہے جہاں بین جماعتی تصادم کی سازش اتنی آسان نہ ہوگی جتنی یہ "رہنما" سمجھے ہوئے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ: کلیدی خطبہ

سے ان مقررہ سیٹوں پر مسلمانوں کے نمائندے خود مسلمان ہی منتخب کر کے بھیجیں۔ اس طرح کا Separate Electorate کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔

حکومت برطانیہ کے ان قوانین اور احکام کے علاوہ خود ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کانگریس اور مسلم لیگ کے سربراہوں کی وساطت سے لکھنؤ میں کئے گئے ایک معاہدے میں یہ اصول تسلیم کیا گیا جس کو لکھنؤ ایکٹ ۱۹۱۶ء کہا جاتا ہے۔ اس اصول کی بنا پر تقسیم ملک سے پہلے جتنے الیکشن ہوئے وہ اسی طریقے پر ہوئے۔

اس اصول کی مخالفت ایسے ہی ہے جیسے مسلم پرسنل لا کا مسلمانوں پر اطلاق کرنے کی مخالفت کی جائے۔ بظاہر امید نہیں ہے کہ حکومت ہند مسلمانوں کے اس معقول اور منصفانہ مطالبے پر آسانی سے کان دھرے گی، کیونکہ وہ آپ سے ایک ہندوستانی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتی ہے نہ کہ "ہندوستانی مسلمان" کی حیثیت سے۔

مان لیجئے کہ متناسب نمائندگی کے اصول کو ہماری سرکار فی الحال تسلیم نہیں کرتی تب بھی ہمارے لئے اپنی جماعت کی تشکیل اور اپنے نمائندے اپنی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب کرانے کی کوشش کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔

ہماری طاقت اجتماعیت سے بھرپور وہ جماعت ہوگی جس کے پیچھے پوری مسلم ملت ایک ہو کر کھڑی ہوگی۔ اور اگر ہم نے دین اسلام کی تعلیم وہدایت کے مطابق اپنی سیاست کو اخلاق و کردار سے آراستہ کیا اور انصاف پروری، رواداری اور مخلوق خدا سے ہمدردی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو صاف ذہن غیر مسلم بھائیوں کی حمایت بھی انشاء اللہ حاصل ہوگی۔

اللہ کے کلام کی بلاغت دیکھئے کہ سورہ انفال کی مذکورہ آیت میں قوۃ کے بعد واؤ لا کر آگے کے مضمون میں فاصلہ پیدا کر دیا، گویا یہ بتا دیا کہ اس دور میں جس وقت قرآن مجید نازل ہوا جنگی طاقت کی علامت گھوڑے ہیں جو ہر پل تیار بہ تیار رہنے چاہئیں۔ اور کسی وقت قوت کوئی دوسری چیز بھی ہو سکتی ہے اس لئے قوت و طاقت کا حصول ایک مستقل حکم ہر دور کے لئے ہے خواہ وہ قوت و طاقت گھوڑوں کی صورت میں ہو جیسا کہ اس وقت تھی یا ووٹوں کی شکل میں ہو جیسا کہ اس وقت ہے۔

قوت کا استعمال تو اپنے وقت پر ہوگا مگر بذات خود قوت کا موجود اور فراہم ہونا تمہارے جانے اور انجانے دشمنوں پر تمہاری ہیبت طاری کر دے گا، تمہارا رعب و دبدبہ قائم کر دے گا۔

پھر فرمایا کہ اس قوت کے حصول میں، جو گھوڑوں اور ووٹوں کسی بھی شکل میں ہو سکتی ہے تم جو بھی خرچ کرو گے وہ "فی سبیل اللہ" اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہوگا۔

صدقات واجبہ زکوۃ وغیرہ کے خرچ کے لئے "فی سبیل اللہ" ایک مستقل مد ہے، جس میں جہاد اور وہ تمام جدوجہد شامل ہے جو اللہ کے دین کی حفاظت اور اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے کی جائے۔

اجتماعی طاقت کے بغیر اس نظام میں نہ ہمارے مدرسے محفوظ ہیں اور نہ مسجدیں، نہ مسلمانوں کا تشخص محفوظ ہے نہ ان کی جان، نہ ان کا مال، نہ ان کی آبرو اور نہ ان کی عزت نفس۔

اجتماعی قوت کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت بنانے کے لئے اور اس کو موثر طاقت میں بدلنے کے لئے ہمیں کسی بھی طرف دیکھنے کے بجائے اللہ تعالی کے مقرر کئے ہوئے اپنے ان ہی وسائل کو کام میں لانا چاہئے جس میں صدقات واجبہ اور غیر واجبہ سب ہی شامل ہیں۔ ہماری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کر کے ہم نے اپنے پروردگار کی رضا تلاش کی ہے۔

یہ چند گزارشات نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ ملی پارلیامنٹ اور اس کے قائد کا ہمیں سپاس گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے امت مسلمہ کے سیاسی مسئلے کا ناقدانہ جائزہ لینے اور نصف صدی کے تجربات کی روشنی میں ایک انقلابی راستے کے لئے غور و فکر کرنے کا موقع دیا۔

آخر میں ملی پارلیامنٹ، اس کے قائد اور اراکین اور حاضرین محترم کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا اخلاقی فریضہ ہے کہ آپ نے اس ناکارہ کی باتوں کو "کلیدی خطبہ" کے عنوان سے سماعت فرمایا۔ خدا کرے یہ نیا سال ملت کے لئے نئی صبح کی نوید ثابت ہو۔

بقیہ: خواتین کی آزادی پر ڈاکہ

فقدان کی بناء پر عورت پر زنا اور عصمت کے لٹیروں کو شہ ملتی ہے۔ تعلیم یافتہ عورت کی گواہی جاہل مرد کے مقابلے زیادہ معتبر ہونی چاہئے۔ قانون ارتداد بنیادی انسانی حقوق پر نہ صرف حملہ ہے بلکہ اسے سیاسی حریفوں اور اقلیتوں پر ظلم کرنے کا آلہ بھی بنایا جا رہا ہے، قصاص و دیت کے قانون سے متمول مجرمین فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مقتول کی زندگی کی من مانی قیمت لگاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تعبیرات و تاویلات پیش کرتے ہوئے اس پہلو کی طرف سے آنکھ بند کر لی جاتی ہے کہ کسی بھی قانون و ضابطے سے منفی فائدے حاصل کرنے والے افراد تو ہر دور، ہر معاشرے میں رہے ہیں جو اس گھات میں بیٹھے رہتے ہیں کہ کہاں سے انہیں کوئی روزن نظر آئے کہ ان کی مجرمانہ جبلتوں کی تسکین ہو سکے۔ اس کے لئے اسلامی شریعت کو قلم زد کر دینا کیا کھلی اسلام دشمنی نہیں ہے۔

"بی جے پی کب تک اہل وطن کو بے وقوف بناتی رہے گی

اب رام ڈھونگیوں کے رام رام ستیہ ہے کی گھڑی آپہنچی ہے"

آر ایس ایس کے ایک معمر اور وفادار رکن سریش کھرے کے قلم سے فسطائی طاقتوں کا پوسٹ مارٹم

سریش کھرے آر ایس ایس کے وفادار ورکر اور ایک پرانے صحافی ہیں۔ آر ایس ایس اور جن سنگھ کے بڑے بڑے لیڈروں کے ساتھ انہیں رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ جن سنگھ کے بانی دین دیال اپادھیائے، بلراج مدھوک اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں بی جے پی کی سیاست پر ایک کتابچہ شائع کیا ہے۔ بقول ان کے بی جے پی فاشسٹوں کا گروہ ہے۔ انہوں نے بی جے پی کی مجرمانہ سرگرمیوں، فرضی رام پریم اور اجودھیا، متھرا، کاشی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بی جے پی کی چالوں کو اس کتابچے میں بے نقاب کیا ہے۔ کتابچہ ہندی میں ہے اور اس کا نام ہے "بی جے پی۔ رام نام ستیہ ہے۔" آج کل یہ پھر صحافت میں لوٹ آئے ہیں، حالانکہ کبھی یہ آر ایس ایس کے کل وقتی ورکر ہوا کرتے تھے۔ اپنے تعارف میں انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "اکتوبر نومبر ۱۹۹۰ء میں ملائم سنگھ حکومت کے ذریعہ ہندو کارسیوکوں کا خون بہانے سے مجھے پھر ہندوتو کے لئے سرگرم ہونا پڑا اور میں وشو ہندو پریشد کے میڈیا سینٹر میں تعاون دینے پہنچا۔ تقریبا ڈیڑھ سال کی خدمت میں جب میں نے دیکھا کہ وشو ہندو پریشد کے لوگ رام مندر کے لئے کم اور بی جے پی کی سیاست کے لئے زیادہ وفادار ہیں اور اڈوانی، اٹل بہاری باجپئی اور خشوگی کا مثلث ملک کے لئے مصیبت بننے جارہا ہے تو میں پھر صحافت میں لوٹ آیا۔"

سریش کھرے نے اپنے کتابچے میں جس طرح بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کو بے نقاب کیا ہے وہ چونکا دینے والا اور اپنے آپ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا لیکن ۱۹۴۶ء سے آر ایس ایس کی خدمت کرنے والا ہی جان سکتا ہے کہ یہ لوگ حقیقت میں کیا ہیں اور وہ جو انکشافات کرے گا وہ حقیقت پر مبنی ہی ہوگا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم اس کتابچے کے اہم اقتباسات یہاں پیش کر رہے ہیں۔

جو جماعتیں بند ہوتی ہیں، جن میں جمہوریت دیکھنے کو نہیں ملتی، جن کے فیصلے کون لیتا ہے یہ عوام کو نہ معلوم ہو اور جہاں اظہار خیال کی آزادی نہ ہو ایسی بند جماعتوں کے ہاتھوں عوام، ملک اور جمہوریت کا مستقبل کبھی محفوظ نہیں ہوگا۔ ہٹلر اور مسولینی کے دور اور کئی کمیونسٹ ممالک میں کیا ہوا اس کا سب کو علم ہے۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی کی موت کے بعد ان کے پی اے اٹل بہاری باجپئی اور پروفیسر بلراج مدھوک کے بعد ان کے پی اے لال کرشن اڈوانی پارٹی پر حاوی ہوگئے اور انہی کے دور میں سیاست میں جرائم کی آمیزش پر ہائے توبہ مچانے والی بی جے پی حقیقت میں مجرموں کی سیاست کا مورچہ بن گئی۔

تاریخ پرانی نہیں ہے۔ ۱۹۸۶ء میں بابری مسجد کا تالا کھلنے کے بعد بی جے پی نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ لوگ ۱۹۸۶ء سے قبل اس مسئلے پر خاموش رہے۔ ۱۹۸۹ء کے عام انتخابات کے پیش نظر رام کے نام پر تحریک شروع کرنے کا فیصلہ اور گربھ گرہ سے رام مندر بنانے کا اعلان کیا گیا۔ بعد میں چھ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد گرادی گئی۔ جس پر آڈوانی نے لوک سبھا میں حزب اختلاف کے قائد کے عہدے سے استعفی دے دیا۔ دراصل ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو جو کچھ ہوا اس میں بی جے پی اور وی ایچ پی کو بڑی مجبوری میں شامل ہونا پڑا تھا۔ بعد میں فسادات اور بمبئی بم دھماکوں سے فرقہ وارانہ کشیدگی کا طوفان پورے میں پھیل گیا اور بی جے پی شش و پنج میں مبتلا ہوگئی۔ ہندو ووٹ کو بنائے رکھنے کے لئے رام نام کی رٹ لگانا ضروری تھا۔ اسی درمیان ہرشد مہتہ کا معاملہ اٹھا اور ۱۵۔۱۶ جون کو بنگلور میں پارٹی کی عاملہ کی میٹنگ ہونے والی تھی۔ جس میں رام مندر کا مسئلہ ہی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ لیکن میٹنگ شروع ہوتے ہی بمبئی کے ایک شاندار ہوٹل میں رام جیٹھ ملانی اور ہرشد مہتہ کی پریس کانفرنس ہاٹ لائن پر بنگلور پہنچنے لگے تو بی جے پی نے رام سے کہا کہ آپ یہیں بیٹھے ہم آپ کو بعد میں لے لیں گے اور وہاں سے ہرشد کو کندھے پر اٹھالیا گیا۔ رام جی ابھی بنگلور ہی میں آرام فرما ہیں۔

بی جے پی کی تاریخ شاہد ہے کہ اس کے پاس کوئی اصول نہیں ہے۔ یہ موقع پرستوں کی ایک بھیڑ ہے جو ہندوتو کی آڑ میں ہندوؤں کو اور سچے سیکولرزم کے ڈھونگ سے مسلمانوں کو ٹھگ کر اقتدار میں آنا چاہتی ہے۔ نوفاشسٹ نوسوشلسٹ اور نو کمیونسٹ وغیرہ کی مانند اپنے ملک میں ایک نو ہندو قوم پیدا ہوگئی ہے۔ بڑا ڈھول، بڑی پول اور بڑا شور۔ اور اب اس ڈھول کی پول کھل گئی ہے۔ نو ہندوتووادی اس معاشرے کے دائرے کو تنگ کرنے میں مصروف ہیں۔ بی جے پی نے ہندو پوجا اور دھرم کرم کے قواعد ہی بدل دیئے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۹۴ء میں مدھیہ پردیش پولیس نے مندسور کے ایک دو منزلہ مکان پر چھاپہ مار کر پچاس کروڑ کی نشہ آور اشیاء ضبط کی تھیں۔ وہ علاقہ افیم کی کھیتی کے لئے مشہور ہے۔ اسمگلر محمد شفیع اور اس کے گھر کے کچھ لوگوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ سابق وزیر اعلی سندر لال پٹوا نے اپنی حکومت کے وقت اسمبلی میں اعتراف کیا تھا کہ شفیع اس کا دوست ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں جب کانگریس

> بی جے پی کی تاریخ شاہد ہے کہ اس کے پاس کوئی اصول نہیں ہے۔ یہ موقع پرستوں کی ایک بھیڑ ہے۔ نوفاشسٹ نوسوشلسٹ اور نو کمیونسٹ وغیرہ کی مانند اپنے ملک میں ایک نو ہندو قوم پیدا ہوگئی ہے۔

نے تفتیش کے ٹھکانوں کو اڑانا شروع کیا اور سرغنہ کو گرفتار کیا تو ان دنوں پٹوا امریکہ میں تھا۔ اطلاعات کے مطابق شفیع کی رہائی کے لئے اس نے وہاں سے وزیر اعلی کو فون بھی کیا تھا لیکن حکومت نے اپنی کارروائی جاری رکھی۔ جولائی ستمبر ۱۹۹۵ء میں جب لوگوں کی گرفتاری ہونے لگی تو پتہ چلا کہ اخباری رپورٹوں کے مطابق ناجائز اسلحوں کی اسمگلنگ کا اہم ملزم سہراب خاں بی جے پی اقلیتی سیل کے ناگدہ ریجن کے نائب صدر نیاب الدین کا بھائی ہے۔ دونوں کا باپ انوار الدین بھی بی جے پی میں ہے۔

دہلی کے ایک ٹاڈا جج ایس ایس ڈھینگرہ کی عدالت میں بی جے پی کے ایک ممبر پارلیمنٹ برج موہن شرن سنگھ کے خلاف سی بی آئی کے ذریعہ ایک معاملہ زیر غور ہے۔ جولائی ۱۹۹۴ء میں داؤد ابراہیم کے آدمیوں کی دہلی میں گرفتاری کے بعد بابری مسجد انہدام اور بمبئی بم دھماکوں سے متعلق کئی سوالات کھڑے ہوگئے ہیں۔ ایک سوال یہ ہے کہ کیا بی جے پی کی مدد سے مافیا کے لوگوں نے مسجد گرائی تاکہ مسلمانوں کو کٹر واد کی بنیاد پر منظم کیا جاسکے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا بی جے پی مسلمانوں میں انتہا پسندی کو اکسا کر اس کے جواب میں جارحانہ ہندوتو کو مضبوط کرنا چاہتی ہے۔ تاکہ دو طاقتیں جنگ و جدال میں لگی رہیں اور مافیا کے لوگ چین سے رہیں۔ تیسرا اور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ایسی حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین بات کیسے ہو سکتی ہے کہ جس پارٹی کے لیڈر آئی ایس آئی اور داؤد گروہ کے دوست اور تعاون یافتہ ہوں، وہ ہندوتو کے دعویدار بھی ہوں۔ عدالتی کارروائی سے اس پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے کہ کس طرح گونڈہ سے بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ برج موہن شرن سنگھ نے اپنی سرکاری رہائش گاہ میں بارہا داؤد کے آدمیوں کو ٹھہرایا اور دوسری سہولتیں دیں۔ سی بی آئی کا خیال ہے کہ جرائم پیشہ عناصر نے مذکورہ ایم پی کے دہلی اور گونڈہ کی رہائش گاہ دونوں کا استعمال کیا ہے۔

اسے کیا کہا جائے کہ اڈوانی پر گوالیار کی ایک عدالت میں آئین ہند کی دفعہ ۴۲۰ کے تحت مقدمہ چل رہا ہے۔ ایسا کسی دوسری پارٹی کے لیڈر پر ہوتا تو بھاجپائی اس کے استعفی کے لئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے۔ شاید جب کوئی بھاجپائی چار سو بیس میں پھنستا ہے تو وہ پاکیزہ شخصیت بن جاتا ہے۔

کہاں گئے آر ایس ایس کے والنٹیئر جو علی الصبح شاکھا میں حاضر ہو کر ملک کے تئیں اپنے فرائض کا عہد لیتے ہیں۔ آج کے سنگھی لیڈر سیاست میں آکر عیش طلب ہوگئے ہیں۔

آج بی جے پی میں کرپشن عروج پر پہنچ گیا ہے۔ ایک آزاد سروے کے مطابق بی جے پی کے قومی سطح کے ۵۰ سے زیادہ ایسے لیڈر ہیں جن پر ماہانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد آتا ہے۔ درمیانہ طبقہ کے ۵۰۰ سے زائد لیڈر اور پرچارک ایسے ہیں جن پر ۵۰ ہزار ماہانہ اور ان سے نیچے والے ایسے پانچ ہزار لوگ ہیں جن کا ماہانہ خرچ دس ہزار ہے۔ زیادہ تر بڑے لیڈر جہاز میں ہی سفر کرتے ہیں۔ ان کی رہائش گاہ میں سنگ مرمر جڑی دیواریں چمچماتی رہتی ہیں۔ عیش و آرام کی جدید دور کی تمام چیزیں ان کے پاس موجود ہیں۔

کرپشن، ڈکٹیٹر شپ اور غلط کاموں کے ضمیر سے اس پارٹی کا وجود ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ریاستوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں وہیں پر اس کی فصل لہلہاتی ہے اور انہیں ریاستوں میں یہ پارٹی برسر اقتدار آکر ٹوٹنے لگتی ہے۔ بی جے پی اہل وطن کو کب تک بے وقوف بناتی رہے گی۔ بی جے پی کی قلعی کھل گئی ہے اصلی چہرہ اور کردار سامنے آگیا ہے۔ اور اب رام کے ڈھونگیوں کے "رام رام ستیہ ہے" کی گھڑی آپہنچی ہے۔

> بی جے پی اہل وطن کو کب تک بے وقوف بناتی رہے گی۔ بی جے پی کی قلعی کھل گئی ہے اصل چہرہ اور کردار سامنے آگیا ہے۔ اور اب رام کے ڈھونگیوں کے "رام رام ستیہ ہے" کی گھڑی آپہنچی ہے

●

فضائی سروے کی اعلیٰ تکنیک کی یقین دہانی کے بدلے

اسرائیل گولان کی پہاڑیاں واپس کرنے پر راضی ہوگیا

جون ۱۹۹۵ء تک شام اور اسرائیل کے درمیان متعدد بار مذاکرات ہوئے تھے۔ لیکن گولان کی پہاڑیوں کو لے کر ہمیشہ گفتگو ناکامی پر منتج ہوتی تھی۔ جون کی ملاقات کے بعد شام یہ کہہ کر مذاکرات سے دستبردار ہوگیا تھا کہ اسرائیل امن نہیں چاہتا۔ پہلے دن سے یہ طے تھا کہ گولان کی واپسی کے بغیر شام اسرائیل کے ساتھ کسی امن معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا۔ لیکن سابق وزیراعظم اسحاق رابن یہ پہاڑیاں واپس کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اسرائیل دراصل ان پہاڑیوں کو اپنے دفاع کے لئے ضروری تصور کرتا ہے۔ فوجی تربیت والے اسحاق رابن اسی لئے خود کو ان پہاڑیوں کو شام کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں کرپاتے تھے۔

ادھر دمشق کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ کسی بھی نوعیت کے امن معاہدے سے قبل یہ طے ہونا ضروری ہے کہ اسرائیل لازماً گولان کا علاقہ اور پہاڑی جس پر اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کرلیا تھا، واپس کردے گا۔ اسرائیل کو امید تھی کہ جس طرح اس نے اردن اور پی ایل او کو، ان کی مجبوریوں اور کمزوریوں کی بنا پر، اپنے من چاہے معاہدے پر دستخط کرالیا ہے، اسی طرح شام کو بھی بے وقوف بنالے گا۔ لیکن متعدد اسباب اور عوامل کی وجہ سے شام اردن اور پی ایل او کی طرح کمزور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسرائیل اور امریکہ دونوں کے دباؤ کے باوجود مستعدی سے اپنے موقف پر جما رہا یعنی یہ کہ گولان کی پہاڑی اور علاقے کی واپسی کے بغیر وہ اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ نہیں کرے گا۔

ان سب باتوں کے پیش نظر، شمعون پیریز، جو اسحاق رابن کی بہ نسبت زیادہ امن کے خواستگار اور حقیقت پسند ہیں، اس نتیجے پر پہنچے کہ شام کا مطالبہ ماننا ہی پڑے گا۔ اسحاق رابن کے قتل کے بعد اپنے پہلے دورہ امریکہ کے دوران انہوں نے اس مسئلے پر کافی صلاح و مشورہ کیا۔ امریکیوں کی اس یقین دہانی کے بعد کہ وہ فضائی سروے کی اعلیٰ تکنیک اسرائیل کو دے دے گا جس کے بعد گولان پہاڑی کی دفاعی اہمیت باقی نہ رہے گی، شمعون پیریز شام کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہوگئے اور اس ضمن میں بعض بیانات بھی جاری کردئے۔ شام نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور پہلے سے کہیں زیادہ امن پر زور دینے لگا۔

شام کے حافظ اسد اور اسرائیل کے وزیر اعظم شمعون پیریز

گولان کی پہاڑی فضائی سروے نظام کی عدم موجودگی میں زبردست دفاعی اہمیت کی حامل ہے۔ اس پہاڑی پر کھڑے ہوکر دونوں طرف کی افواج خصوصاً ٹینکوں کی حرکت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس پہاڑی پر جس کا قبضہ ہوگا، اسے نہ صرف مخالف افواج کی حرکت پر نظر رکھنے کی آسانی ہوگی بلکہ دشمن فوج کے ٹینکوں کے خلاف یہ پہاڑی ایک فطری دفاع کا بھی کام کرتی ہے۔ لیکن فضائی سروے نظام کے حصول کے بعد اسرائیل گولان پہاڑی کھوکر بھی محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل اب اس پہاڑی کو واپس کرنا چاہتا ہے۔

۲۷ - ۲۹ دسمبر ۱۹۹۵ء تک امریکہ میں شام و اسرائیل کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان گفتگو ہوچکی ہے۔ دوسرے مرحلے کی تین روزہ گفتگو کا آغاز ۳ جنوری کو ہوگا یعنی اس وقت جب یہ اخبار

> گولان کی پہاڑی زبردست دفاعی اہمیت کی حامل ہے۔ اس پہاڑی پر کھڑے ہوکر دونوں طرف کی افواج خصوصاً ٹینکوں کی حرکت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ دشمن فوج کے ٹینکوں کے خلاف یہ پہاڑی ایک فطری دفاع کا بھی کام کرتی ہے۔

پریس میں ہوگا۔ ان مذاکرات میں ایک امریکی ٹیم بھی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہے۔ ان دو مرحلے کے مذاکرات کے بعد امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر دمشق اور تل ابیب کا دورہ کریں گے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مذاکرات ضرور کامیاب ہوں گے۔ پہلی بار شام کو محسوس ہورہا ہے کہ اسرائیل گولان کی پہاڑیاں واپس کرنے میں سنجیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے متوقع معاہدے کے لئے فضا ہموار کرنی شروع کردی ہے۔ حال ہی میں خلیجی تعاون کونسل اور مصر کے وزرائے خارجہ ایک میٹنگ کے سلسلے میں دمشق میں تھے جہاں شام نے اپنی امن مساعی سے انہیں باخبر کرکے ان کی حمایت حاصل کرلینا ضروری سمجھا۔ دراصل اس طریقے سے حافظ الاسد اپنے ان مخالفین کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو کسی بھی قیمت پر اسرائیل سے امن معاہدے کے مخالف ہیں۔

ادھر شمعون پیریز کے لئے بھی گولان واپس کرنا معمولی کام نہیں ہوگا۔ اسرائیلی عوام کی اکثریت اس کے حق میں نہیں ہے۔ مزید برآں اس علاقے میں ۱۳ ہزار سے ۱۵ ہزار تک یہودی آباد ہیں، جنہیں اسحاق رابن نے یقین دلایا تھا کہ وہ کبھی یہ علاقہ شام کے حوالے نہیں کریں گے۔ لیکن لگتا ہے کہ شمعون پیریز اسے شام کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔ ظاہر ہے اس مقصد کے لئے انہیں یہودی نو آباد کاروں کو وہاں سے اجاڑ کر کہیں اور آباد کرنا ہوگا۔ اطلاعات کے مطابق اس ضمن میں جو صرفہ آئے گا اسے امریکہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ غیر مصدقہ خبر بھی گردش میں ہے کہ اسرائیل امریکہ سے بارہ ارب ڈالر کا مطالبہ کررہا ہے۔

اگرچہ امریکہ میں جاری مذاکرات کے سلسلے میں شام، اسرائیل اور امریکہ نے طے کیا ہے کہ پریس کو اس سے دور رکھا جائے گا مگر پھر بھی اسرائیلی ذرائع نے گفتگو کے اہم نکات خفیہ طریقے سے پریس کو دے دئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مکمل مغربی ایشیا امن معاہدے کے لئے اسرائیل گولان کی پہاڑیاں واپس کرنے سے پہلے شام سے یہ مطالبہ کررہا ہے کہ وہ دمشق میں اسرائیل مخالف تنظیموں کا دفتر بند کردے اور لبنان کی حزب اللہ جیسی تنظیموں کی سرگرمیوں کو روکنے میں مدد دے۔ اسی کے ساتھ اسرائیل نے شام اور دوسرے ممالک سے معاشی تعاون کے لئے بھی بعض تجاویز پیش کی ہیں جن میں ایک گولان کے علاقے میں مشترکہ صنعت کاری بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ اسرائیل نے دونوں ملکوں کے درمیان پانی کے مسئلے کے تصفیے کے لئے بھی تجاویز سامنے رکھی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دو مرحلے کے ان مذاکرات کے دوران مستقبل کی گفتگو کا لہجہ طے ہوگا اور آخری فیصلہ وارن کرسٹوفر کے مغربی ایشیا کے اگلے دورے کے بعد ہی لیا جائے گا۔

●

صفحہ آخر کا باقی

کا داعیہ اس کے اندر سے جاتا رہا ہو۔ نوبت یہاں تک آگئی ہو کہ امت کے نام نہاد علماء موجودہ سیکولر نظام کو ہی ہندوستان کے لئے ایک قابل عمل نظام حیات باور کرانے پر مجبور ہوں اور گویا اس طرح وہ دوسرے الفاظ میں یہ کہتے ہوں کہ خدا کی کتاب اور انسانی زندگی کے لئے قرآن کا منشور اس ملک کے لئے قابل عمل نہیں ہے جہاں مختلف ملت اور مذاہب رہتے ہوں اور جہاں مسلمانوں کی تعداد اقلیت میں ہو۔ گویا قرآن کو کتاب ہدایت ماننے سے سراسر انکار اس امت کے سیاسی جغادریوں کا وطیرہ بن چکا ہو۔ اسی صورت میں انہیں یہ کون سمجھائے کہ سیکولر ڈیموکریسی بھی دراصل شرک کی ایک قسم ہے۔

بھائی سلیم کی نگاہوں کے سامنے ہندوستانی تاریخ کے مختلف ادوار چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں صدیوں تک اس ملک پر غلبے کی زندگی عطا کرنے والی امت گزشتہ پچاس سالوں سے ایک ایسی سازش کا شکار ہے جس نے بیس کروڑ کی عظیم الشان عددی قوت کو ایک مجبور و مقہور اقلیت میں تبدیل کردیا ہے ماضی اور حال کے موازنے سے بھائی سلیم کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے انہیں حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس غیر منصفانہ سیاسی نظام کو ہمارے زیرک دانشوروں نے بھی ایک بہتر متبادل کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔ البتہ امت کے اندر پروان چڑھنے والی اس نئی فکر سے انہیں ایک حوصلہ ملتا دکھائی پڑتا ہے۔ جو اس سیاسی نظام کو امت مسلمہ پر ابدی سیاسی غلامی مسلط کئے جانے سے تعبیر کرتا ہے۔ البتہ ابھی اس سوال کا جواب ملنا باقی ہے کہ شرعی طور پر امت مسلمہ کے لئے مشرکین کی سیاسی قیادت لائق اتباع ہے یا نہیں اور یہ کہ قرآن کی موجودگی کے باوجود کسی غیر قرآنی معاشرے کے قیام کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد قابل مواخذہ ہے یا نہیں کہ اگر ان سوالات کے جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبے کی روشنی میں تلاش کئے جاتے ہیں تو پھر بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اس ملک میں سیاسی منشور کیا ہوگا اور یہ کہ انصاف کے قیام کے لئے ان کی ملی اور اسلامی قیادت کس حد تک آگے آئے گی۔

●

بقیہ : ملی پارلیمنٹ

کے اندر ایک الگ ملک اور قوم ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر اس کی قرارداد پاکستان کے پروپیگنڈے اور ہندوستان کے دشمنوں کو تقویت پہنچائے گی مسلمانوں سے اپنے دفاع کے لئے ہتھیار اٹھانے اور اپنی آمدنی کا دس فیصد حصہ دفاعی فنڈ میں جمع کرانے کی اپیل سے لوگوں کی بھنویں تن جائیں گی۔ اس طرح نام نہاد پارلیمنٹ ہندوستان میں اسلامی احیاپسندی کا نقطہ آغاز ہے۔" اخبار نے ملی پارلیمنٹ کے کنونشن کو ایک خطرناک بھیڑ قرار دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ راشد شاذ جیسے لوگوں کو یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ انتہا پسندانہ رویہ اپنا کر بہتر مسلمان ہونے کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا بلکہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستان کی سیکولر پالیسیوں پر اتفاق رائے پیدا کرنے میں مدد بہم پہنچائی جائے۔"

لیکن ان تمام مخالفانہ آندھیوں کے بیچ بھی ملی پارلیمنٹ کا مقدس قافلہ رواں دواں ہے۔ اس نے ہندوستانی مسلمانوں کو مشرکانہ سیاسی غلامی سے نجات دلانے کا عہد کر رکھا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ خواب ایک نہ ایک دن ضرور شرمندہ تعبیر ہوگا۔

شادی ایک عظیم سنت کی ادائیگی ہے

اسے خرافات و فضول خرچی سے آلودہ نہ کریں

تحریر: س - احمد

ہندوستان غریب ملک ہے جہاں زردار اور مفلس کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس تناظر میں جب ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں جو ہر اعتبار سے پسماندہ ہیں تو غربت و امارت کا فرق کچھ زیادہ ہی بھیانک شکل میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ تاہم بعض مواقع ایسے دیکھنے میں آتے ہیں جہاں اس اقلیت کی پسماندگی کی تشہیر کوئی دشمنانہ سازش کا بہتان نظر آتی ہے۔ ان میں سے ایک موقع ہے شادی کا۔ اس لفظ کا مفہوم عملاً اب یہ ہو گیا ہے کہ "شادی ایک ایسا کام ہے جس میں دو خاندانوں کی طرف سے روپیہ بے دریغ خرچ کیا جاتا ہو۔" اس عمل کی ابتدا ہوتی ہے دعوت نامے کی طباعت سے۔ شادی کارڈوں میں اب اس قدر جدتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ اسے کارڈ کم طلائی حروف میں تحریر کردہ چھوٹی موٹی فائل کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ شادی کا کارڈ اس زبان میں نہیں ہوتا جو فریقین عام طور پر بولتے ہیں بلکہ اس کے لئے اس زبان کا استعمال کرتے ہیں جسے سمجھنے سے وہ اکثر نابلد رہتے ہیں کوئی باشعور شخص کارڈ کے زیب و زینت کے معیار اور انداز پیش کش سے سمجھ جاتا ہے کہ شادی پر کیا خرچ آیا ہو گا اور یہ بھی کہ داعیان کا مبلغ علم کیا ہے اور ان کا طرز زندگی کیسا ہے۔

آج چونکہ ہر شخص کی زندگی بہت مصروف ہے اس لئے اجتماعی اہمیت کے مواقع پر بھی باہمی اشتراک و تعاون سے کوئی کام کر لینا ممکن نہیں رہ گیا ہے لوگ اس لئے کثیر کھانے کے انتظامات کا ٹھیکہ دے دیتے ہیں۔ بغیر پنڈال کے انتظام ناقص تصور کیا جاتا ہے۔ پنڈالوں کی سجاوٹ قابل دید ہوتی ہے۔ اب اس میں بالکونی محراب اور برجیں بھی بننے لگی ہیں۔ مہمانوں اور منتظمین سے بھری ہوئی گاڑیاں بھی ادھر سے ادھر آتی جاتی نظر آئیں گی جن پر چپکی ہوئی جھنڈیوں پر یہ فاتحانہ نعرہ لکھا ہو گا۔ Jamal Weds Husna یا Husna Weds Jamal جب کہ دعوت میں شریک تمام اعزاء و اقارب اور احباب کو یہ بات معلوم رہتی ہے کہ کس کی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔

بعض حضرات شادی کے پنڈال میں موسیقی اور گانوں کے ریکارڈ بجانا بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور اس ریکارڈنگ کی آواز پورے شور و غل پر حاوی رہتی ہے۔

ایسی ہی ایک جگہ جھماکے دار ریکارڈنگ چل رہی تھی اور گانا بھی ایسا تھا کہ "او نچی او نچی دنیا کی دیواریں سیاں توڑ کے کھو موڑ کے . میں آئی رے تیرے لئے سارا جگ چھوڑ کے" کہ اتنے میں قاضی صاحب نکاح پڑھانے کے لئے پنڈال میں آئے۔ نکاح خوانی کی رسم تو دس منٹ سے زیادہ کی نہ تھی۔ قاضی صاحب پڑھے لکھے دیندار آدمی تھے انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں زوجین کے حقوق کے حوالے سے دو چار باتیں نوشہ اور سامعین کے گوش گزار کیں۔ یقین جانئے کہ اس وقت حاضرین میں سے آدھے لوگ ایسے تھے جنہیں یہ وقفہ حد درجہ شاق گزرا کہ قاضی جی نے کہاں سے یہ بے وقت کی راگنی چھیڑ دی۔

> یہاں وہ بھول جاتا ہے کہ شادی ایک عظیم سنت کی ادائیگی ہے اور اس کی مناسبت سے دعوت یا ولیمہ اس کے اعلان کا طریقہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے حکم کی تعمیل اور معاشرے میں ایک نئے خاندان کی تعمیر کے لئے ایک مرد اور ایک عورت یکجا ہوئے ہیں۔

یہ حال ہوا ہے اس قوم کا جس کے لئے قرآن رہنمائے ہدایت بنا کر اتارا گیا تھا جس کے درمیان اللہ نے اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جنہوں نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو واضح کر کے بیان کر دیا۔ معاملات زندگی، معاشرت لین دین خرچ کرنے کے طریقے اور اکل و شرب تک کے موضوعات کی تمام نزاکتوں کو سمجھا دیا۔ اس کے باوجود ہم نے غیروں کے طریقے اپنائے۔ زبانی تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی دہائی ضرور دیتے رہے لیکن عملاً یہی ثبوت دیا کہ جیسے ان احکامات سے ہماری تشفی نہیں ہو پا رہی ہے،

ہماری آزادی پسند فطرت ان احکامات کی رو سے عائد ہونے والی پابندیوں کو گوارہ نہیں کر سکتی۔ احکام الٰہی سے اس بے زاری کا ایک نفسیاتی سبب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی مصروفیت کا دائرہ وسیع ہوا ہے۔ اور انسانی زندگی مجموعی طور پر آسان ہوئی ہے۔ اس آسانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسانوں کے درمیان یگانگت اور ہم آہنگی زیادہ ہوتی لیکن اس کے بجائے خود غرضی کے رجحان کو زیادہ فروغ ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ اصراف و انفاق میں تمیز کئے بغیر جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور خصوصاً شادیوں کے موقع پر۔ گویا وہ اس شاہ خرچی کے ذریعے اپنے خاندان کی تاریخ میں خود کو قابل ذکر اور یادگار بنانا چاہتا ہے۔ یہاں وہ یہ بھول جاتا ہے کہ شادی ایک عظیم سنت کی ادائیگی ہے اور اس کی مناسبت سے دعوت یا ولیمہ اس کے اعلان کا طریقہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے حکم کی تعمیل اور معاشرے میں ایک نئے خاندان کی تعمیر کے لئے ایک مرد اور ایک عورت یکجا ہوئے ہیں۔ انصاف کی بات تو یہ تھی کہ اعلان زواج کی یہ رسم ہر شخص کی اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ہوتی لیکن افسوس کہ آج اس ایک روزہ جشن کے لئے لوگ کیا کیا جتن نہیں کرتے۔ جس کے پاس مال و متاع کی افراط ہے وہ تو ارمان نکال کر خوش ہو لیتا ہے لیکن بے چارہ غریب اسی کے نقش قدم پر لوک لاج کا لحاظ رکھ کر چلتا ہے تو یہی خوشی آئندہ کئی سالوں کا سکون اس سے چھین لیتی ہے۔

یہ بڑی معیوب بات ہے کہ

ہم قرآن کا کیسٹ چلا کر ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول ہو جائیں

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال: — ہمارے گھر میں ہر وقت قرآن کے کیسٹ چلتے رہتے ہیں بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ گھر میں تو کوئی نہیں ہے لیکن کیسٹ چل رہا ہے۔ میں نے ایک بار سوال کیا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو جواب ملا کہ آتے جاتے لوگوں کے کانوں میں کچھ تو قرآن کی آواز پڑتی رہے اور اس سے شیطان بھی دور بھاگتا ہے۔؟

جواب: — قرآن کریم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اسی لئے مسلمان کی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ اس میں ایسا پیغام ہدایت ہے جس کا نفاذ مسلمان کی زندگی میں ہونا چاہئے۔ اسی لئے اسے پوری احتیاط سے سمجھ کر پڑھنا چاہئے اور اس کے تئیں کسی کو بھی غیر ذمہ دارانہ رویہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اللہ نے اس میں بھی بڑی رحمت ہمارے لئے رکھی ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے یا سنتے ہیں تو اس کا اجر ہمیں ملتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا پڑھا ہوا ایک لفظ بھی ہمارے لئے باعث خیر و برکت ہے۔ کلام الٰہی کی مسلمان کی زندگی میں اس اہمیت کے پیش نظر اس کی آیات کے مفاہیم و معانی کو سمجھنا ہمارے لئے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع بھی اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب ہم جانتے ہوں کہ جو آیات پڑھی جا رہی ہیں ان کا مطلب کیا ہے۔ اسی لئے اللہ کا حکم ہے کہ جب ہم قرآن کسی کو پڑھتے ہوئے سنیں تو اسے پوری توجہ سے سنیں۔ یہ تو بڑی بے حرمتی ہو گی کہ قرآن پڑھا جا رہا ہے اور ہمارا ذہن کسی اور طرف مصروف ہے یہ رویہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس بات کو روزمرہ زندگی کے معمول کی روشنی میں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی محترم شخص آپ سے گفتگو کر رہا ہو اور آپ اپنی کسی بات یا کسی حرکت سے یہ تاثر اسے دیں کہ آپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا ردعمل بڑا خراب ہو گا۔ اسی طرح کوئی مقرر اگر یہ محسوس کرے کہ سامعین میں سے بعض لوگ آپس میں محو گفتگو ہیں تو اسے سخت ناراضگی ہو گی۔ تو سوچئے کہ اللہ کا کلام جو ہمیں اس قدر عزیز و محترم ہے جب ہمارے سامنے پڑھا جائے اور ہم اس کی طرف سے بے توجہی برتیں تو کس قدر موجب عذاب و سزا ہوں گے۔ قرآن کا کیسٹ چلا کر ادھر ادھر کے کاموں یا گفتگو میں مشغول ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہماری نظر میں کلام اللہ اور بازاری گانوں یا عام نغموں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ قرآن کا کیسٹ چلا کر ہم شیطان کو دور بھگا سکتے ہیں شیطان کو بھگانے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ ہم سمجھیں کہ قرآن کریم ہم سے کیا کہہ رہا ہے اور کیا کچھ ذہن نشین کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ اچھی آواز میں ریکارڈ کی گئی قرآنی آیات کو محض سن لینے سے کوئی مقصد حل ہونے والا نہیں ہے۔ جب سے مسلمانوں نے قرآن کو اصل زندگی میں قابل نفاذ پیغام الٰہی کے بجائے محض رحمت و برکت کے نزول کا ذریعہ سمجھ لیا ہے مسلمانوں پر زوال آنا شروع ہو گیا ہے۔

سوال: — اگر کسی عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو تو اس کے لئے عدت کے دوران اپنے شوہر کے گھر میں رہنا افضل ہے یا اپنے والدین یا عزیزوں کے گھر میں عدت گزارنا بہتر ہے۔؟

جواب: — ریاض کے شریعہ کالج کے استاد صالح بن قانم السدلان کی رائے کے مطابق طلاق رجعی جس عورت کو دی گئی ہو اس کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ہی رکی رہے اور وہاں سے نکلنا اس کے لئے جائز نہیں۔ علاوہ ان حالات کے جب اس سے کوئی بری حرکت سرزد ہوئی ہو، بدزبانی کرتی ہو، شوہر کے گھر والوں کو اذیت دیتی ہو یا کوئی ایسا فعل اس سے سرزد ہو سکتا ہو جس سے شوہر کو ضرر پہنچے یا اس کے بچوں کو۔ اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو سنت کا طریقہ یہی ہے کیوں کہ طلاق رجعی کی صورت میں وہ بیوی کی حیثیت تو رکھتی ہے اس لئے اسے چاہئے کہ اپنے معاملات کو درست کرے شاید کہ شوہر اپنے فیصلے کو واپس لے لے۔ اسلام کو اس بات سے زیادہ دلچسپی ہے کہ مرد و زن کی ازدواجی زندگی کی ڈور بندھی رہے۔ تو جس طور پر بھی ممکن ہو وہ عورت شوہر کے ہی گھر میں رہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادات اور ان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو یہ ہوتا ہے کہ مرد کے منہ سے طلاق کا "ط" نکلا اور وہ دروازے سے نکل کر اپنے گھر والوں کے گھر کا رخ کرتی ہے۔ یہ عمل سنت کے خلاف ہے کہ ایسے مردوں کو بھی چاہئے کہ خدانخواستہ طلاق کی صورت میں عدت کے دوران عورت کو اپنے گھر میں روکے رکھیں۔ عدت گزر گئی اور مرد نے رجوع نہیں کیا تب جا کر وہ عورت اس کے لئے اجنبی ہوتی ہے اور اسی وقت اس کے اپنے والدین یا ولی کے گھر کا رخ کرنے کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

ہر میز پر کی بورڈ اور ہر جیب میں پرسنل کمپیوٹر

اب انفارمیشن ہائی وے کا زمانہ دور نہیں

حال ہی میں مائیکروسافٹ کارپوریشن کمپیوٹر ونڈوز ۱۹۹۵ء کا اجراء اپنی نوعیت کا ایک تاریخی واقعہ ہے کیونکہ اس سے ہارڈویر اور سافٹ ویر دونوں کی فروخت میں حد درجہ اضافہ ہوجائے گا۔ اس وقت پوری دنیا میں ونڈوس آپریشن سسٹم استعمال کرنے والے افراد کی تعداد ۶۰ ملین ہے۔ توقع ہے کہ ان میں سے بیس فیصد افراد ونڈوس ۱۹۹۵ء خریدیں گے۔ ایک اندازے کے مطابق اس سسٹم کے اجراء سے پہلے دو سال کے اندر مائیکروسافٹ والوں کو سات بلین ڈالر کا منافع حاصل ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ اس سے مائیکروسافٹ کے بانی چیرمین اور دنیا کے امیر ترین شخص بل گیٹ کی دولت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگا۔ گزشتہ کئی سالوں سے مائیکروسافٹ پرسنل کمپیوٹر آپریٹنگ سسٹم کی مارکیٹ پر ٹھوس اجارہ داری حاصل رہی ہے۔ مائیکروسافٹ کی گرفت بازار پر اس قدر مضبوط ہے کہ تقریباً تمام پرسنل کمپیوٹر کہیں بھیجے جانے سے پہلے ونڈوس آپریٹنگ سسٹم سے مکلف کردئے جاتے ہیں۔

بل گیٹ کا کمال یہ ہے کہ اپنی ذہانت سے گرافکل یوزر انٹرفیس (جی یو آئی) کی طاقت کا اندازہ کرلیا۔ جو CryfticCommand کو ذہن نشین کرنے کے بجائے آسان فہم Emages کے ذریعے کمپیوٹر سے تعامل کی صلاحیت ہے۔ ایک عرصے تک وہ اپنے خیالات کو بازار میں لئے گھومتے رہے اس عرصہ میں انہیں سخت مسابقت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور حریف کمپنیوں نے بل گیٹ کو شکست دینا اپنا نصب العین بھی بنایا۔ لیکن مائیکروسافٹ میدان میں ڈٹی رہی اور آخر کار ۱۹۸۵ء میں ونڈوس کا پہلا ماڈل آیا تاہم بازار میں مقبولیت اسے ۱۹۹۰ء میں ملی۔

اگرچہ مبصروں کا کہنا ہے کہ آئی بی ایم او ایس / ۲ اور ایپل کے میک او ایس ونڈوس سے برتر ہیں لیکن ونڈوس اپنی تکنیکی خوبیوں کی بنا پر بازار میں قدم جمائے ہوئے ہے۔ ونڈوس ۱۹۹۵ء پہلے ماڈل ۳.۱ کی ترقی یافتہ شکل ہے جس میں سولہ بائٹ کی جگہ ۳۲ بائٹ کا آپریٹنگ سسٹم ہے جس کا مطلب ہے ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات کو ہینڈل کرنے کی صلاحیت۔ اس میں فائلوں کی فہرست طویل تر ہے جس کی بناء پر پرانی فائلوں کے نام یاد رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور ۱۹۸۱ء میں تیار کی گئی ایپلی کیشنز کو بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ذیلی پروگرام بھی اس میں بیک وقت بڑھائے جاسکتے ہیں۔

Entering home via the back door

ونڈوس ۱۹۹۵ء کی بڑھی ہوئی صلاحیتوں کا فائدہ اٹھاکر بہت سے سافٹ ویر فروشوں نے اپنے سافٹ ویر کی نئی کاپیاں تیار کرلی ہیں اور اس طرح ہارڈویر کے تاجروں کو امید بندھ چلی ہے کہ ان پرسنل کمپیوٹروں کی فروخت بھی اوپر جائے گی۔ مائیکروسافٹ اس نئے مال کی تشہیر کے لئے ۵۰۰ ملین ڈالر کے خرچ کی اشتہاری مہم چلائے گا اور ونڈوس ۱۹۹۵ء کے بازار میں داخلے کے بعد سے اس کے شیئر کی قیمتیں بھی اوپر اٹھی ہیں۔

تاہم اس پوری چہل پہل میں بل گیٹ کو اس بات کا احساس ضرور ہے کہ اس نے بازار کو گلے تک اپنے مال سے بھر دیا ہے اور اب وہ نئے میدان کی تلاش میں ہیں۔ انہوں نے ہر ڈیسک تک کمپیوٹر پہنچانے کے خواب کو ضرور پورا کردیا ہے بلکہ اس خواب کو وسعت بھی دی ہے
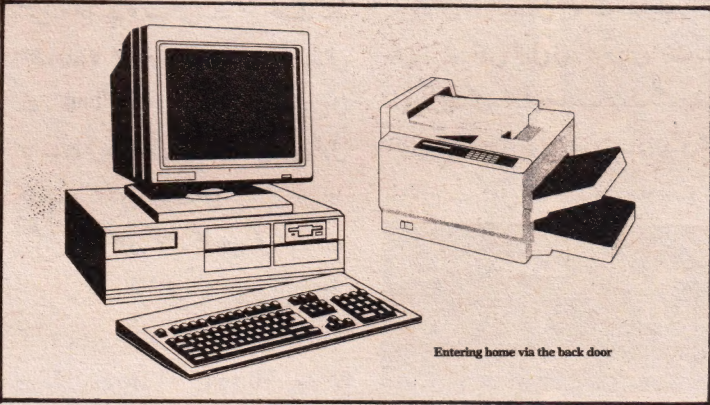
اب ان کی آرزو ہے ہر ڈیسک، ہر جیپ اور ہر کار کو کمپیوٹر سے آراستہ کرنے کی۔ ابھی انہوں نے انفارمیشن ہائی وے کے زمانے کی آمد کا تصور پیش کیا ہے جس کی مدد سے ویڈیو آن ڈیمانڈ، ہوم بینکنگ اور دیگر خدمات کی سہولتیں صارفین کو حاصل ہوسکیں گی۔ پرسنل کمپیوٹر کا استعمال جس قدر عام ہوتا جائے گا اسی قدر انفارمیشن ہائی وے بھی بجلی کی طرح ہر گھر کی ضرورت بن جائے گا۔ بل گیٹ کا کہنا ہے کہ انفارمیشن ہائی وے سے رابطے کا بہترین ذریعہ پرسنل کمپیوٹر ہے جس کے آپریٹنگ سسٹم سے اسے مربوط کیا جاسکتا ہے۔ ونڈوس ۱۹۹۵ء کے ذریعے بل گیٹ نے یہ کام بھی کردکھایا ہے جس پر ان کی ہم پیشہ کمپنیوں نے کافی واویلا کیا ہے۔ ابھی تک کوئی حریف بل گیٹ اور ونڈوس ۱۹۹۵ء کو نیچا نہیں دکھا پایا ہے علاوہ اس کی یہ کمپنی کامرانی سے سرشار ہوکر خود ہی اپنے معیار و اصول سے منحرف ہوجائے۔ لیکن ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب بل گیٹ کے منہ سے لوگ ہر ڈیسک پر کمپیوٹر پہنچانے کی بات سنتے تھے تو ان کے اس خیال پر ہنستے تھے۔ اب دن پھر گئے ہیں تو بل گیٹ لوگوں کی حماقت پر قہقہہ لگاسکتے ہیں۔

●

اگلے پچاس سال میں انسان بے کار ہو جائیں گے

مشین انسانوں کی جگہ لے لے گی

روبوٹکس کے میدان میں سائنسی تحقیقات انسان کی لامتناہی جستجو کی ایک کڑی ہے۔ پروگرام شدہ انسان نما مشین سے سوچنے کی صلاحیت سے آراستہ روبوٹوں تک اس میدان میں خاصی پیش رفت ہوچکی ہے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ کار اور موٹر سائیکلوں کی طرح روبوٹوں کو بھی شوروم میں گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے رکھا جانے لگا ہے۔ اس تحقیقی مسابقت کا مقصد انسان نما مخلوق کی تشکیل ہی نہیں بلکہ مکمل انسانی وجود کی تخلیق ہے۔ اگرچہ ابھی سائنسداں نہ جانے کتنے سال پیچھے ہیں لیکن سائبر نیٹکس کی تحقیقات نے ضرور امید کی کرن دکھائی ہے جس کی بنا پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگلے پچاس سالوں میں مشینی امور کی انجام دہی میں انسانوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہ بڑی حیرت ناک بات معلوم ہوتی ہے لیکن سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو انسان بھی مشین ہی ہے جس میں شعور و احساس کا داخلی عنصر رکھا گیا ہے اور مشینوں کو بھی شعور و احساس کی صلاحیت سے آراستہ کیا جاسکتا ہے اور اسی نکتے پر سائنسدانوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

درحقیقت یہ غالب قیاس کہ انسان ذہین ترین مخلوق ہے، انسانوں سے زیادہ ذہین مشینوں کی ایجاد کے امکان کو مشکوک بناتا ہے۔ انسان چونکہ خود کو اشرف المخلوقات سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے سے برتر کسی شے کے وجود میں آنے کے تصور سے خائف ہے۔ اگر ایسی مشین کبھی بن گئی تو انسان کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ روئے زمین پر ابھی تک کیا کرتا رہا ہے۔ اس اختلاف رائے کے باوجود سائنسدانوں کا ایک ایسا حلقہ مصنوعی ذہانت کے میدان میں مصروف تحقیق ہے۔ اس ضمن میں جاپان کا پیانو بجانے اور موسیقی کی دھنوں پر جھومنے والا روبوٹ قابل ذکر ہے۔ تاہم یہ روبوٹ ذہانت سے عاری ہے اور اس لئے خود موسیقی کی تخلیق نہیں کرسکتا۔ اس موضوع پر حالیہ ترین تحقیق کی بنیاد پر برطانوی ریاضی داں ایلن ٹرینگ کا یہ نظریہ ہے کہ مشینیں محض بصری تجربہ کی مدد سے ذہانت پیدا کرسکتی ہیں اور اس نہج پر ایک خاص حد تک ان میں یہ صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات اس نے یہ کہی ہے کہ جب تک مشینوں میں دیکھنے سننے اور چھونے کی حس پیدا نہ ہوجائے انہیں ذہانت سے متصف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مصنوعی ذہانت کے شعبے میں کام کرنے والے لوگوں نے ٹرینگ کے اسی معیار کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے چاہے انہوں نے مینڈک بنایا ہو یا کتا۔ اس میں جانوروں کے نیورل سسٹم کی نقل کے اصول کو کام میں لایا گیا ہے

> **پروگرام** شدہ انسان نما مشین سے سوچنے کی صلاحیت سے آراستہ روبوٹوں تک اس میدان میں خاصی پیش رفت ہوچکی ہے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ کار اور موٹر سائیکلوں کی طرح روبوٹوں کو بھی شوروم میں گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے رکھا جانے لگا ہے۔

۔ اندازہ ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز تک جاپان ایک ایسا نیورل نیٹ ورک تیار کرلے گا جس میں ایک بلین نیورون ہوں گے۔

انسان نما روبوٹ کے بجائے کیڑے مکوڑے اور جانور بنانے کے خیال کے پیچھے ایک دلچسپ تاریخ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے مقابلے میں حشرات کا نیورل سسٹم کم پیچیدہ اور مختصر ہوتا ہے جن کو بنانا آسان ہے۔ ٹرینگ کے تصورات کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہی سائنسدانوں نے ایسے کم پیچیدہ روبوٹ بنانے کا فیصلہ کیا ہے جن میں احساس اور جذبات بھی پیدا کئے جائیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پلے اور بچے ہی ایسی مخلوق ہیں جن سے لوگ ہنستے کھیلتے ہیں اور اس طرح اپنے ذہنی تناؤ کا ازالہ بھی کرتے ہیں۔ یسا چیوٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں اس طرح کا ایک پلہ پہلے ہی بن چکا ہے۔ سردست جاپان اور امریکہ میں نیورو بے بی کی ایجاد تجرباتی مراحل میں ہے۔

انسانی مخلوق کی اس سے بہتر مخلوق کی نقالی کی راہ میں کئے گئے یہ اہم اقدامات ہیں۔ تاہم ارتقائی حیاتیات کے ماہرین ہنوز اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ کیا انسانی وجود کی نقالی ممکن ہے۔ اسی طرح جیسے کیمرہ انسانی آنکھ کا نعم البدل نہیں ہوسکتا، روبوٹ بھی انسان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ایک حلقہ اس رائے کا مخالف ہے اور اس کا کہنا ہے کہ کم جگہ میں دماغ کی پروسیسنگ پاور کو کمپیوٹر کے ذریعے ایڈجسٹ کرنے کی مہم میں دس سے پندرہ سال کے عرصے میں کامیابی حاصل ہوجائے گی۔

مصنوعی نیورو سسٹم کی مدد سے پہلے یا شیر خوار بچے کی تشکیل کا مقصد یہ سمجھنا ہے کہ ایسی خود مختار اور حساس مخلوق کس طرح بنائی جائے جو نہ صرف صحیح کام کرے بلکہ مقررہ حالات میں درست فیصلے بھی کرسکے۔ اور یہی کام مشکل ترین ہے کیونکہ انسان تو مختلف حالات میں مختلف ردعمل کا اظہار کرتا ہے اور اسی کے مطابق قدم بھی اٹھاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان مصنوعی مخلوقات سے روابط پیدا کرنا بھی اپنی جگہ ایک مسئلہ ہے۔ اس میدان میں جینوم پروجیکٹ سے مدد مل سکتی ہے جس کے ذریعے کسی مشین کی جنسیاتی ساخت کا پتہ چلایا جاسکتا ہے اور ان کی کارکردگی کو Virtual Reality Gadgets پر دیکھا بھی جاسکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس طریقہ کار سے دس سال کا کام ایک ماہ میں ہوسکتا ہے۔ بہر کیف انسان کو مات دینے والی مشینیں ایجاد کرنے کی تگ و دو نے خود انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ وہ اب کون سا راستہ اختیار کرے کہ آئندہ کی مشین پر بھی اسے ہی برتری حاصل کرے۔

کیا فرقہ وارانہ فسادات سے بچنے کے لیے

مسلمان ہندو تہذیب و ثقافت کو اپنا لیں؟

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔ (ادارہ)

نام کتاب: کلرس آف وائلنس
(انگریزی)
مصنف: سدھیر کاکس
ناشر: وائی کنگ
صفحات: ۲۶۰
قیمت: ۲۰۰ روپے

فرقہ وارانہ کشیدگی کے زمانے میں لوگوں کی ذہنیت ایسی بن جاتی ہے کہ وہ اپنی سرشت کے خلاف خود کو ہندو اور مسلمان کی حیثیت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ بزعم خود تحلیل نفسی کے طریقہ کار پر مبنی اپنی تصنیف میں سدھیر کگڑ نے مذہبی تشدد کے واقعات اور اس کے نتائج پر ایک نئے انداز میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل حیدر آباد کے ۱۹۹۰ء کے ہندو مسلم فرقہ وارانہ فساد کی کیس اسٹڈی کے حوالے سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب تک افراد کے انداز فکر میں نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوتی فرقہ وارانہ تشدد کے مسئلے کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کگڑ جی بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے موضوع پر اب تک لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں مختلف الفاظ میں اسی جملہ کو دہرایا گیا ہے۔

تاہم اس کتاب کے مطالعے سے ذہن میں بعض سوالات ابھرتے ہیں مثلاً یہ کہ کیا صرف ایک شہر کے واقعات کی بنیاد پر فرقہ وارانہ تشدد کے مسئلے کو خواہ وہ جزوی طور پر ہی سہی سمجھا جاسکتا ہے؟ ۱۹۸۴ء کا سکھ مخالف فساد مذہبی تشدد تھا یا سیاسی تشدد؟۔ ملک میں شیعہ سنی فسادات کا طویل سلسلہ کو کس زمرہ میں رکھا جائے گا؟۔ کیا بہار اور اتر پردیش میں اقتصادی طور پر طاقتور پسماندہ طبقوں اور دلتوں کے درمیان جاری تصادم کی زمرہ بندی کی ضرورت نہیں ہے۔ چھٹے اور ساتویں باب میں بالترتیب نئی ہندو شناخت اور مسلم بنیاد پرستانہ شناخت کے ضمن میں مصنف نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ پہلے سے موجود لیکن مبہم اور شکل و صورت سے عاری ہندوازم سے ابھرنے والی ہندو شناخت خصوصاً شمالی اور وسطی ہند میں بی جے پی کے پھیلائے ہوئے سیاسی عقائد و تصورات میں پیوست ہے۔ یہ ثابت کرنے کی غرض سے کہ ہندوازم بری طرح جادوئی سیاست کی زد پر ہے انہوں نے سادھوی رتھمبرا کی حیدر آباد کی ایک تقریر سے اقتباس نقل کیا ہے جس میں موصوفہ نے اہل وطن کو سیتا، ہنومان، کرشن، مہاویر، بدھ، گرو گوبند، دیانند، والمیکی اور یہاں تک کہ کارسیوکوں تک کی یاد دلائی ہے۔

کگڑ صاحب کے مطابق رتھمبرا نے انہی غازیوں کے نام چن چن کر گنائے ہیں جو ان کے اور سنگھ پریوار کے خیال میں "اس ہندو کمیونٹی کی حدود کے خالق ہیں جس کی تشکیل کے وہ آج خواہش مند ہیں اور جو ماضی میں بھی وجود رکھتی تھی۔" ظاہر ہے کہ رتھمبرا سے یہ امید تو کی نہیں جاسکتی کہ حضرت عیسی یا پیغمبر اسلام کو شامل کرتیں۔ رہ گیا بدھ، مہاویر اور گورو گوبند کا معاملہ تو کوئی کچھ بھی کہے تو ان کے عقیدت مند فرقے آج بھی ہندو سماج کے حصے تصور کئے جاتے ہیں۔ مسلم بنیاد پرستی کے حوالے سے مصنف نے مولوی عبیداللہ اعظمی کی ایک تقریر کا اقتباس پیش کیا ہے جو راجستھان ہائی کورٹ میں کسی ہندو وکیل کی طرف سے قرآن پر پابندی لگانے کے سلسلے میں مقدمہ دائر کرنے کے رد عمل میں انہوں نے کی تھی۔ اس تقریر میں گاندھی جی کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے کے ساتھ ساتھ یہ دعوی بھی کیا گیا کہ اگر حالات ایسے ہی رہتے تو تاریخ شاید اپنے آپ کو دہراتی اور بالا صاحب دیورس، اٹل بہاری باجپئی اور راجیو گاندھی کو کلمہ پڑھنا پڑتا۔

کگڑ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندو مسلم فرقہ وارانہ تصادم کو ختم کرنے کی غرض سے مسلمانوں سے ہندو اکثریت کا یہ مطالبہ کہ وہ ان کی قومی تہذیب کو اختیار کریں اور مسلمانوں کا یہ اندیشہ کہ اس طرح ان کی شناخت کا خاتمہ ہوجائے گا اس ملک میں مشترکہ تہذیب کو کبھی پنپنے نہیں دے گا۔ تاہم وہ ثقافتی ثنویت یا تعدد کے بڑھتے ہوئے رجحان سے مطمئن نظر آتے ہیں کیونکہ یہ کسی کے حق میں پر خطر نہیں ہے اور اس میں مستقل فرقہ وارانہ تصادم کے مقابلے میں تشدد کے امکانات کافی حد تک کم ہوجائیں گے۔

مشکل یہ ہے کہ تہذیبی ثنویت کا تصور دونوں فرقوں کے بنیاد پرستوں کے ذہنوں کو چھو نہیں پائے گا کیونکہ کگڑ صاحب نے ان کے بھیانک چہرے اس طرح دیکھے نہیں ہیں جیسے کہ بہت سے دوسرے لوگوں نے۔ ان غریبوں کا مشترک وصف یہ ہے کہ وہ نرے جاہل ہیں اور اسی لئے غیر ذمہ دار بھی یا بالفاظ دیگر سماجی احمق۔ اس لئے حیرت ہوگی اگر تحلیل نفسی کی نہج پر پیش کی گئی کوئی تحریر ان کے سروں پر سے گزر جائے۔

> کگڑ جی یہ محسوس کرتے ہیں کہ فسادات کو ختم کرنے کی غرض سے مسلمانوں سے ہندوؤں کا یہ مطالبہ کہ وہ ان کی قومی تہذیب کو اختیار کریں اور مسلمانوں کو یہ خدشہ کہ اس سے ان کی شناخت ختم ہو جائے گی اس ملک میں مشترکہ تہذیب کو کبھی پنپنے نہیں دیگا۔

آپ کی الجھنیں

آپ کا بچہ کھو گیا ہے

اللہ کا کلام آپ کے لیے طمانیت قلب کا وسیلہ ثابت ہو گا

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: — میرا لڑکا عمر پندرہ سال تعلیم سوا پارہ حفظ قرآن۔ گھر سے مدرسہ کے لئے نکلا تھا لیکن غائب ہو گیا۔ باادب ہے لیکن زمانے کے لحاظ سے تیز نہیں ہے۔ پہلی مرتبہ کوئی بہلا پھسلا کر فیض آباد لے گیا وہاں سے کچھ ہمدردوں نے اطلاع دی اور اس کے دادا لے آئے۔ پھر اس کے ڈھائی سال بعد گزشتہ رمضان میں ۱۱ دن گھر سے باہر رہا مگر لکھنؤ میں تھا واپس آگیا۔ اس مرتبہ چھ مہینے ہوئے ابھی کوئی سراغ نہیں لگا۔ رپورٹ وغیرہ لکھوائی کچھ حاصل نہ ہوا۔ اب رات رات بھر الجھن سے نیند نہیں آتی۔ بہت پریشان ہوں۔ کبھی جی چاہتا ہے اپنے آپ کو ختم کرلوں کیونکہ اب مزید صبر نہیں ہوتا اور نہ اتنے وسائل ہیں جن کے ذریعے تلاش کروں۔ خدا کے لئے ہمیں کوئی وظیفہ بتائیے اور ساتھ ہی کوئی راستہ بھی تاکہ ذہنی الجھن اور فکر دور ہو۔

(ش۔ب۔ لکھنؤ)

جواب: — آپ ماں ہیں اور بچے کی طرف سے آپ کی تشویش بجا ہے لیکن اس کی عمر بھی تو دیکھئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب کوئی بچہ دنیا کی گھما گھمی دیکھنے کی بہت زیادہ خواہش کرتا ہے۔ چونکہ وہ دو بارہ اس سے پہلے بھی گھر سے باہر رہ چکا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانے کے لحاظ سے کم تیز اور سمجھ دار ہونے کے باوجود وہ آس پاس کے شہروں کی سمت اور اندرون شہر راستوں سے واقف ہو چکا ہے۔ اور انشاء اللہ جہاں بھی ہو گا خیریت سے ہو گا۔ آپ اس کے غائب ہونے سے متعلق ضروری قانونی کارروائی تو مکمل کروا ہی لیں۔ اللہ کمزوروں کو قوت بھی دیتا ہے اور پریشانیاں دور ہونے کے اسباب بھی پیدا کرتا ہے۔ اللہ سے بچے کی واپسی کی دعاء کی نیت سے آپ اس کا کلام جہاں سے بھی پڑھیں گی وہی آپ کے لئے طمانیت قلب کا وسیلہ ثابت ہو گا اور پریشانی رفع ہوگی۔ آپ کی پریشانی اور ذمہ داریوں کے پیش نظر انسانی معمولات میں حارج ہونے والے وظائف تجویز نہیں کئے جاسکتے تاہم آپ کسی بھی نماز کے بعد روز ایک بار سورہ کہف کی تلاوت کر کے اور سورہ فاتحہ یا معوذتین (سورۃ الناس اور سورۃ الفلق) پڑھ کر دعاء کریں تو اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ مصیبت دور ہوگی۔

سوال: — میں ایک یتیم کے مال کا ولی ہوں اور سات سال پہلے اس کی ساری رقم بینک میں جمع کرا دی تھی اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس پر زکوۃ بھی نکالنی ہے۔ بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ اس پر زکوۃ نکالنی چاہیے تھی لیکن یہ طے کرنے میں مجھے دقت پیش آرہی ہے کہ گزشتہ سالوں کی کس حساب سے زکوۃ ادا کی جائے اور جب یتیم کو معلوم ہو گا کہ میں نے ایک بڑی رقم اس کی امانت میں سے زکوۃ دے دی ہے تو کیا اسے یقین آئے گا۔؟ (س۔م)

جواب: — یتیم کے مال پر بھی زکوۃ کا وجوب اور اس کی شرح وہی ہوگی یعنی ڈھائی فیصد۔ مثال کے طور پر کل رقم سات سال قبل

باقی ص ۸ پر

Invitation Price Rs. 5/-
16 -31 January 1996
Volume : 2, Issue : 26

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018 6926030
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

آخر یہ سب کیسے ہو گیا؟

جبل رحمت پر پہنچ کر محمد سلیم نہ جانے کس سوچ میں گم ہو گئے۔ انہیں اس بات کا خوب خوب احساس ہے کہ وہ آج جس پہاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ کوئی معمولی جگہ نہیں بلکہ وہ مقام ہے جہاں سے خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے نام ایک عظیم الشان انقلابی وصیت نشر کیا تھا۔ اور اس پہاڑی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کی ہے۔ بھائی سلیم جن کا تعلق شمالی ہند کے ایک کاروباری گھرانے سے ہے بڑے جوش و خروش سے عرفات کی بلندی تک چڑھ آئے ہیں لیکن اب وہ یہاں پہنچ کر کچھ ایسے کھوئے گویا دعا مانگنے کے انداز بھول گئے ہوں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ان کا وجود ڈھ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا ہے۔

بھائی سلیم کو یہ دیکھ آج سخت حیرت ہوئی کہ وہ جس رسول صلعم کے نام لیوا ہیں اس کے ماننے والے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کا تعلق ہندوستان میں رہنے والی ایک مقہور اقلیت سے ہی نہیں ہے بلکہ وہ ۱۴۳۳ (ایک اعشاریہ تین بلین) آبادی والی امت کا حصہ ہے اور یہ کہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی آخری رسول کی امت ہر جگہ مقہور و مجبور نہیں ہے۔ کہیں اسے اقتدار حاصل ہے تو کہیں اللہ نے اسے دنیا بھر کی دولتوں اور نعمتوں سے مالامال کر دیا ہے۔

بھائی سلیم کو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ ان کا تعلق جس ملک سے ہے وہ ملک بھی کوئی عام ملک نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی کا مسکن ہے۔ یہ اعزاز ہندوستان کو ہی حاصل ہے کہ یہاں دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی رہتی ہے۔ پھر سب سے بڑی مسلم آبادی والے ملک میں اسلام مغلوب کیوں ہے۔ مسلمان مجبور کیوں ہیں اور ان کے دل و دماغ پر اقلیت میں ہونے کا خوف کیوں طاری ہے۔ عرفات کے سائے میں پناہ پا کر اپنی ٹھوڑی کو ہاتھوں کے بل سہارا دے کر بھائی سلیم کو ایسا لگا گویا ان سوالوں کا جواب انہیں اسی پہاڑی سے ملنے والا ہو کہ یہ پہاڑی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے آج بھی معمور ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ آج بھی تر و تازہ ہے جس میں آپ نے پوری امت کے لئے وصیت کی تھی کہ میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔

افسردہ، پریشان حال سلیم اندر سے بلبلا اٹھا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنے خدا سے یہ سوال کرے کہ آخر کتاب ہدایت کی موجودگی کے باوجود دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی والے ملک ہندوستان میں امت مسلمہ پر ذلت کا ماحول کیوں طاری ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ قیادت کے منصب پر فائز کی گئی امت آج ایک غیر اسلامی نظام کی اتباع میں کافر اور مشرک سیاسی قیادت کی اطاعت میں زندگی جینے پر مجبور ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری ہدایت کو یہ کیسے ممکن ہوا کہ پوری امت یکسر فراموش کر گئی ہو اور گزشتہ نصف صدی سے کتاب و سنت کے مطابق نظام حیات کا مرتب کرنے

باقی صفحہ